© rasailojaraid.com

عورت کے سماجی، معاشی اور سیاسی حقوق قرآن کی روشنی میں

محمد عنایت اللہ اسد سبحانی

قرآن پاک نے عورت کو بہت اونچا مقام دیا ہے، اس نے عورت کو وہ عزت دی ہے جو اس سے پہلے کبھی اسے حاصل نہ ہوئی۔ اس نے سماج میں اس کا سر اتنا بلند کیا ہے، جتنا کبھی بلند نہ ہوا۔ اس نے جو معاشی تحفظ اسے عطا کیا ہے، نزول قرآن سے پہلے اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

نزول قرآن سے پہلے دنیا میں حق و انصاف کا نہیں، ظلم و بربریت کا راج رہا، ہمیشہ طاقت ور نے کمزوروں کو دبایا، اور مردوں نے عورتوں کو ستایا، انھیں ہمیشہ پیروں کی جوتیوں کی طرح روندا، پیروں کی جوتیاں جس طرح کچھ دن پہننے کے بعد کوڑے میں ڈال دی جاتی ہیں، بالکل اسی طرح عورتیں روندی اور پھینکی جاتی رہیں۔

مغربی تہذیب کا سلوک

آج مغربی تہذیب کا سلوک بھی عورت کے ساتھ پہلے سے کچھ مختلف نہیں۔ آزادی نسواں اور (Empowerment of women) کے خوش نما اور دلفریب نعروں سے قطع نظر، ان کے اندرونی حالات کا جائزہ لیں، تو صاف نظر آئے گا، کہ عورت وہاں محفلوں کی زینت بھی ہے، اور چولہے کا ایندھن بھی! عورت وہاں چھوٹی بڑی کرسیوں پر جلوہ افروز بھی ہے، اور اپنی زندگی سے بے زار اور غموں سے دل فگار بھی! وہ اوپر سے چمکتی اور لہراتی ہوئی نظر آئے گی، مگر اندر سے آگ میں پڑی ہوئی، درخت کی ہری ٹہنی کی طرف سلگ رہی ہوگی!۔

اس کی سب سے بڑی دلیل خودکشی اور خودسوزی کی وہ دل دوز داستانیں ہیں جو آئے دن ریڈیو، ٹی وی اور اخبارات میں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ آج مغربی خاتون کی حالت بڑی قابل رحم ہے!

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک طرف مغربی جاہلیت اور اس کی زن کشی کا یہ جاں کاہ منظر ہے، دوسری طرف قرآنی تہذیب اور اس کی عورت نوازی کا یہ جاں نواز منظر، کہ عورت کو اس نے وہ عزت دی، جس سے آگے عزت کا کوئی تصور نہیں۔ اسے وہ حقوق دیے، جو حقوق اس سے پہلے نہ اسے حاصل ہوئے، نہ کبھی اس کے بعد حاصل ہوئے۔

عمومی عزت وتکریم

عورت کے سماجی حقوق میں سب سے بنیادی حق یہ ہے کہ اسے ہر طرح سے عزت دی جائے، سماج میں اسے برابری کا مقام دیا جائے، کبھی اس کے ساتھ کوئی ذلت آمیز یا حقارت انگیز سلوک نہ کیا جائے۔ قرآن پاک بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام اولاد آدم کو عزت دی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلاً (سورہ اسراء/۷۰)

ہم نے اولاد آدم کو عزت دی۔ خشکی وسمندر کو ان کی جولان گاہ بنایا، پاکیزہ نعمتیں ان کے لیے مہیا کیں اور بہیتری مخلوقات پر انہیں نمایاں فضیلت عطا کی۔

اولاد آدم کو جو عزت دی گئی ہے، اس میں جتنا حصہ مردوں کا ہے، اتنا ہی حصہ عورتوں کا بھی ہے۔ کیونکہ بنی آدم کا لفظ مردوں عورتوں دونوں کو حاوی ہے۔ اس میں مرد عورت کی کوئی تفریق نہیں ہے۔

اسی طرح ایک دوسری جگہ ارشاد ہے، کہ تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں۔ ان کے ساتھ جو رویہ اپناؤ گے، ویسا ہی نتیجہ پاؤ گے، وہی تمہاری جنت اور وہی تمہاری جہنم ہیں۔ فرمایا:

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُواْ حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ وَقَدِّمُواْ لأَنفُسِكُمْ وَاتَّقُواْ اللّهَ وَاعْلَمُواْ أَنَّكُم مُّلاَقُوهُ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ (البقرہ/۲۲۳)

تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں، تو تم آؤ اپنے کھیتی میں جیسے چاہو، اور اپنے لیے برابر آگے بھیجتے رہو۔ اللہ سے ڈرو، یہ جان رکھو کہ تمھیں اس کے سامنے حاضر ہونا ہے، اور خوش خبری سنادو سچے مومنین کو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں''۔ یہ فرمانے کے بعد یہ فرماتا کہ ''تم اپنے لیے آگے بھیجتے رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو، اس بات سے کبھی غافل نہ ہو کہ تمہیں اس کے سامنے حاضر ہونا ہے۔'' یہ عورت کے سلسلے میں قرآن کا نقطۂ نظر واضح کرتا ہے، یہ اس حقیقت کی طرف رہ نمائی کرتا ہے، کہ عورت کوئی کھلونا نہیں ہے کہ انسان جیسے چاہے، اس سے اپنا دل بہلائے اور جس طرح چاہے، اسے روندے اور پامال کرے! عورت اس سے بہت اونچی چیز ہے۔ وہ انسان کی خوش بختی یا بدبختی کا راز ہے۔ اس کے ساتھ اچھا رویہ اختیار کرکے وہ اپنی عاقبت سنوار سکتا ہے، برا رویہ اپنا کر بربادیوں اور نامرادیوں کو دعوت دے سکتا ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

جب یہ کہا جاتا ہے، کہ اسلام نے عورت کو سچ مچ عزت دی ہے، اسے سماج میں مرد کے مساوی حقوق دیے ہیں۔ تو اس پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے، کہ قرآن نے طلاق کا تمام تر اختیار مردوں کو دیا ہے۔ مرد جب چاہے عورت کو طلاق دے کر اپنے سے الگ کردے، مگر عورت کو یہ اختیار نہیں دیا گیا ہے۔ اس طرح عورت مرد کو نہ چاہتے ہوئے بھی جھیلتی رہتی ہے۔ وہ اسے جھیلنے پر مجبور ہوتی ہے۔ یہ عورت کے ساتھ کھلی ہوئی زیادتی اور ناانصافی نہیں ہے، تو اور کیا ہے؟ یہ الجھن بلاشبہ ذہنوں میں پیدا ہوتی ہے، مگر اس کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ یہ حقیقت حال سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔

قرآن نے جس طرح مردوں کو طلاق دینے کا اختیار دیا ہے، اسی طرح عورتوں کو خلع کرانے کا اختیار دیا ہے، مرد نکاح کے موقع پر عورت کو جو مہر ادا کرتا ہے، اسے واپس کرکے وہ مرد سے طلاق بائن یعنی قطعی اور دائمی گلوخلاصی حاصل کرسکتی ہے۔ اگر مرد کے اندر کچھ بھی انسانیت اور غیرت ہے تو وہ عورت کے اس مطالبہ کو رد نہیں کرسکتا۔ لیکن اگر مرد اس کے لیے تیار نہیں ہوتا، تو خاندان یا علاقے کے بااثر لوگوں کو بیچ میں ڈال کر وہ یہ مقصد حاصل کرسکتی ہے۔

ازدواجی زندگی کی تمام تر بنیاد باہمی الفت و محبت اور آپس کے حسن و اعتماد پر ہوتی ہے۔ اگر یہ چیز نایاب ہے، اور اس کے پائے جانے کی کوئی امید اور کوئی سبیل نہیں ہے، تو ان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دونوں میں سے کوئی بھی اپنے ساتھی کو جھیلنے پر مجبور نہیں۔ مرد جب ضرورت سمجھے بے تکلف اپنا حق طلاق استعمال کرسکتا ہے، اسی طرح عورت جب ضرورت سمجھے، اپنے حق خلع سے فائدہ اٹھاسکتی ہے۔

اسی سلسلے میں ہدایات دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

الطَّلاَقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ وَلاَ يَحِلُّ لَكُمْ أَن تَأْخُذُواْ مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئاً إِلاَّ أَن يَخَافَا أَلاَّ يُقِيمَا حُدُودَ اللّهِ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلاَّ يُقِيمَا حُدُودَ اللّهِ فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ تِلْكَ حُدُودُ اللّهِ فَلاَ تَعْتَدُوهَا وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ اللّهِ فَأُوْلَـئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (سورة البقرہ/۲۲۹)

طلاق دوبار ہوتی ہے، پھر یا تو انھیں بھلے طریقے سے روک لینا ہے، یا خوبصورتی سے رخصت کردینا ہے، تمہارے لیے یہ جائز نہیں کہ انہیں جو کچھ دے چکے ہو، اس میں سے کچھ واپس لو، الّا یہ کہ ایسی صورت ہو کہ ان دونوں کو یہ اندیشہ ہو کہ حدود الٰہی کو قائم نہیں رکھ سکیں گے، تو اگر تمھیں بھی اندیشہ ہو (اے سرپرستو!) کہ وہ دونوں واقعی حدود الٰہی کو قائم نہیں رکھ سکیں گے تو ان دونوں کے لیے کوئی حرج نہیں ہے اس میں کہ وہ عورت کچھ دے کر شوہر سے گلو خلاصی حاصل کرلے۔ یہ اللہ کی قائم کی ہوئی حدیں ہیں۔ انھیں پھلانگو نہیں۔ جو لوگ بھی اللہ کی قائم کی ہوئی حدوں کو پھلانگیں گے، وہ خود اپنا برا کریں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن نے کہیں بھی عورت کی حق تلفی نہیں کی ہے، اس کے برعکس اس نے سماج میں عورت کو بھرپور عزت دی ہے۔ نہ صرف عزت دی ہے، بلکہ اس کے لیے ان تمام میدانوں میں آگے بڑھنے کی راہیں کھول دی ہیں، جو اس کی عزت اور قدر و منزلت کو دوبالا کرسکیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علوم وفنون میں ترقی

قرآن جس زمانے میں نازل ہوا، پورا عرب جہل کی تاریکی میں تھا۔ آس پاس کی دنیا بھی جہالت کی لعنت میں گرفتار تھی، قرآن نے دنیا کو علم سے آشنا کیا۔ ہر شخص کو، چاہے مرد ہو یا عورت، علم حاصل کرنے کی ترغیب دی۔ فرمایا:

هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ (الزمر/۹)

کیا برابر ہو سکتے ہیں وہ لوگ جو علم رکھتے ہیں، اور وہ لوگ جو علم سے محروم ہیں؟۔

إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ (فاطر/۲۸)

اللہ کے بندوں میں سے اللہ سے صحیح معنوں میں ڈرنے والے وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو علم کی دولت رکھتے ہوں۔

قرآن کی ترغیب تھی، رسول خدا ﷺ کی تربیت تھی، دیکھتے دیکھتے بالکل ہی ایک نیا سماج تیار ہو گیا، جو علم کے زیور سے آراستہ، اور علم کی خوش بو سے معطر تھا۔ کیا مرد، کیا عورتیں، سب کے سب علم کے شیدائی اور علم کے لذت آشنا ہو گئے۔ قرآن کی ترغیب و تحریک سے علم کے چرچے جو شروع ہوئے، تو عہد رسالت سے لے کر بعد کی کئی صدیوں تک مسلم سماج علم کا گہوارہ بنا رہا۔ کیا مرد اور کیا عورتیں، دونوں اپنی اپنی صلاحیتوں کے جوہر دکھاتے رہے۔ علمی میدان میں دونوں ایک دوسرے کا مقابلہ کرتے رہے اور ذہانتوں اور عبقریتوں کے ایک سے ایک نمونے سامنے آتے رہے۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ علمی میدان میں عورتوں کی تعداد ہمیشہ مردوں کے برابر رہی۔ تعداد برابر ہو بھی کیسے سکتی تھی، جب کہ دونوں کے حالات اور ذمہ داریوں کی نوعیت میں بڑا فرق ہوتا ہے۔

ہمارا کہنا بس اتنا ہے کہ زمانہ دراز تک، جب تک قرآنی اسپرٹ مسلم امت میں موجود رہی، مرد و زن دونوں علم کے لذت آشنا رہے اور جن عورتوں کے لیے حالات سازگار رہے اور علمی میدان میں آگے بڑھنے کے مواقع حاصل ہوتے گئے، وہ کسی بھی حیثیت سے مردوں سے پیچھے نہیں رہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صحابیات کی علمی و رفاہی سرگرمیاں

عہد رسالت میں حضرت عائشہؓ، حضرت حفصہؓ، حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ، حضرت زینبؓ، حضرت ام ہانیؓ، حضرت اسماءؓ بنت عمیس، حضرت جویریہؓ، حضرت ام حزامؓ بنت ملحان، حضرت خولہ بنت حکیمؓ، حضرت سودہؓ بنت زمعہ، حضرت صفیہؓ، اور نہ جانے کتنی صحابیات تھیں، جو اپنے علم وتفقہ میں نمایاں تھیں۔ اور ان کے گھر علم کے مراکز بنے ہوئے تھے۔ رسول خدا ﷺ کی سیکڑوں حدیثیں، بیسیوں آیات کی تفسیریں، شریعت کے کتنے ہی احکام اور مسائل ان کے ذریعہ ہم تک پہنچے۔ جو حدیث وفقہ اور تفسیر کی کتابوں میں محفوظ ہیں۔

صحابیات میں کتنی ہی ایسی تھیں، جو دوا علاج اور جراحی میں ماہر تھیں، چنانچہ عہدِ رسالت کی تمام ہی جنگوں میں صحابیات اور غیر صحابیات ہی زخمیوں کی مرہم پٹی کرتیں اور وہ ساری خدمات نہایت کامیابی کے ساتھ انجام دیتیں۔ جو آج کل بڑے بڑے شفا خانے اور اسپتال انجام دیتے ہیں۔

علمی فتوحات کی طبی تاریخ

عہد رسالت کے بعد خلفائے راشدین کا عہد آیا، اور پھر نہ جانے کتنے عہد آئے، اور کتنی صدیاں بیت گئیں، مگر امت مسلمہ کے ذوق علم وتحقیق میں کوئی فرق نہ آیا۔ عورتیں بھی مردوں کے دوش بدوش چلتی رہیں اور علم کے موتی سمیٹتی اور لٹاتی رہیں۔

چھٹی صدی ہجری کے مشہور حنفی عالم شیخ علاء الدین سمرقندی، جو فقہ حنفی کی مشہور کتاب (تحفۃ الفقہاء) کے مصنف تھے، ان کی بیٹی فاطمہ فقہ کی زبردست عالمہ تھیں۔ ان کے والد کے شاگرد شیخ علاء الدین کاسانی، جو فقہ حنفی کی مشہور کتاب (بدائع الصنائع) کے مصنف تھے، ان سے ان کی شادی ہوئی۔

فاطمہ کو علم فقہ میں اتنی مہارت اور اتنا رسوخ حاصل تھا، کہ ان کے شوہر نامدار کہیں غلطی کرتے، تو وہ اس کی اصلاح کرتیں، شادی سے پہلے ان کے والد کے ہاں کوئی استفتاء آتا، تو فتوے پر والد کے ساتھ ساتھ ان کی بھی تحریر، اور ان کے بھی دستخط ہوتے۔ جب شادی ہوگئی تو فتوے پر ان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے اور ان کے والد کے ساتھ شوہر کے بھی دستخط ہونے لگے۔[۱]

ساتویں صدی ہجری میں عبدالرحمٰن جرجانی کی بیٹی زینب کا نام آتا ہے، جو فقہ و حدیث کے علوم میں بہت اونچا مقام رکھتی تھیں۔ ان کی علمی سرگرمیاں تاحیات جاری رہیں۔ یہاں تک کہ ۶۱۵ھ میں نیشاپور میں ان کی وفات ہوئی۔[۲]

مکّی بن علی حرانی کی بھی ایک بیٹی زینب تھیں، یہ تقوی اور پرہیزگاری کے ساتھ ساتھ علم میں بہت کمال رکھتی تھیں۔ ان کے گھر پر تشنگان علم کا ہجوم رہتا۔ ۶۶۸ھ میں ان کی وفات ہوئی۔[۳]

محمد بن احمد الغزی کی ایک بیٹی تھیں، ان کا نام بھی زینب تھا، انھوں نے علم وتقویٰ کے ساتھ ساتھ شاعری میں اونچا مقام حاصل کیا، یہاں تک کہ اپنے والد اور اپنے بھائی سے آگے نکل گئیں۔ ۶۹۸ھ میں ان کی وفات ہوئی اور دمشق میں تدفین ہوئی۔[۴]

قصہ کوتاہ، علم کے میدان میں جہاں مردوں نے اپنی صلاحیتوں کے جوہر دکھائے، وہیں عورتیں بھی ان کے ہم رکاب رہیں اور یہ سلسلہ مدت ہائے دراز تک چلتا رہا۔

علمی پس ماندگی کا آغاز

یہ سلسلہ اس وقت چلتا رہا، جب تک امت مسلمہ کا تعلق قرآن پاک سے استوار رہا۔ پھر جوں جوں قرآن پاک سے رشتہ کمزور ہوتا گیا، امت کے علمی ذوق میں اضمحلال آتا گیا۔ یہاں تک کہ بعد کے ادوار میں جب یونانی علوم کے عربی زبان میں ترجمے ہوئے اور یونانی فلسفہ اور یونانی افکار کا مسلمانوں میں دور دورہ ہوا، تو یہ چیز مسلمانوں کے لیے بہت بڑی آزمائش ثابت ہوئی۔ وہ علم کے اصل سرچشمے سے غافل ہوگئے۔ جس کے نتیجے میں ان کی تمام علمی توانائیاں ٹھٹھر کر رہ گئیں۔

ان یونانی علوم نے رفتہ رفتہ مسلم امت کو بے جان کر کے رکھ دیا۔ نہایت محتاط الفاظ میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ یہ علوم در اصل اس امت کے لیے جان لیوا کینسر تھے، جو دھیرے دھیرے اس کے ذوق علم وتحقیق کو چوستے رہے۔ دن بدن اسے اس کے اصل مشن سے نافل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ایک وقت ایسا آیا کہ وہ مجموعی حیثیت سے خدا فراموشی اور خود فراموشی کا شکار ہوگئی۔ کیا مرد، کیا عورتیں، کسی کو یہ ہوش نہیں رہا، کہ وہ امت جو کبھی قرآن کی برکت سے شہر شہر علم کے آفتاب و مہتاب بکھیرا کرتی تھی، وہ کہاں جاہلی علوم کے سراب میں کھوگئی!! وہ کہاں یونان کے دلدل میں پھنس گئی!!

پھر جب انگریزوں کا دور آیا تو انھوں نے رہی سہی کسر پوری کردی۔ وہ اپنی سازشوں سے ملت اسلامیہ کو پارہ پارہ کرنے میں کامیاب ہوگئے، پھر نت نئی چالوں سے اسے مکمل طور سے اس کے فکری سرمایہ اور علمی ذخائر سے محروم کرنے کی کوشش کی، تاکہ اس کے اندر سے علمی ذوق پیدا ہونے کا امکان نہ رہ جائے، اور اس کی علمی و تعلیمی سرگرمیاں موقوف ہو جائیں۔

ایک طرف انھوں نے مسلم امت کو علمی میدان سے دور کرنے کی کوشش کی، دوسری طرف ان کا جتنا علمی سرمایہ لوٹنا ممکن ہوا، اس لوٹ لے گئے۔

یہی صورت حال تھی، جسے دیکھ کر علامہ اقبال تڑپتے تھے ؎

مگر وہ علم کے موتی، کتابیں اپنے آبا کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سی پارہ

ملت اسلامیہ جو صدیوں علمی قافلے کی قیادت کرتی رہی اور سیکڑوں سال آسمان علم و تمدن پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکتی اور سارے عالم میں علم کی شعاعیں اور تمدن کی چاندنی بکھیرتی رہی، یہ دراصل قرآن پاک کا ہی فیض تھا۔

یہ قرآن کبھی بھی حصول علم یک راہ میں رکاوٹ نہیں ڈالتا، بلکہ اسے ترقی کی کلید، اور دنیا و آخرت کی کامرانیوں کا راز قرار دیتا ہے۔ وہ تو زمین و آسمان میں پھیلی ہوئی قدرت کی نشانیوں پر غور کرنے اور علم کے رازوں کا سراغ لگانے کی بار بار ترغیب دیتا ہے۔ مردوں کی بھی ترغیب دیتا ہے، عورتوں کو بھی ترغیب دیتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ	بلاشبہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں، اور
وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ	رات و دن کے باری باری آنے جانے میں
لِّأُولِي الْأَلْبَابِ (سورہ آل عمران/۱۹۰)	بڑی نشانیاں ہیں عقل والوں کے لیے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس طرح کی آیات قرآن پاک میں بار بار آئی ہیں، جن سے قرآن کی علم دوستی کا اندازہ ہوتا ہے۔

ضروری ہے کہ یہ امت دوبارہ اپنی پوزیشن سنبھالے، دوبارہ علم کی انجمنیں آراستہ کرے۔ ایک ایک گھر اور ایک ایک بستی میں وہ علم کی شمعیں روشن کرے، مگر اس طرح نہیں، جس طرح دشمن چاہتے ہیں، بلکہ اس طرح جس طرح اللہ اور اس کے رسول چاہتے ہیں۔ مرد بھی علم حاصل کریں، عورتیں بھی علم حاصل کریں، بچے بھی علم حاصل کریں، بچیاں بھی علم حاصل کریں، نہ صرف علم حاصل کریں، بلکہ علمی دنیا کی قیادت کریں۔

علمی دنیا کی قیادت وہ اسی صورت میں کر سکتے ہیں، جب وہ مرعوب اور شکست خوردہ ذہنیت کے ساتھ نہیں، بلکہ نہایت خود اعتمادی اور خود شناسی کے ساتھ اس میدان میں قدم رکھیں، قرآنی تہذیب کو سینے سے لگائے ہوئے، اخلاقی قدروں کو دانتوں سے پکڑے ہوئے، اسلامی حدود کا پاس ولحاظ رکھتے ہوئے، اسلامی رنگ اور اسلامی شان کو برقرار رکھتے ہوئے۔

عورت اور عصری تعلیم

انسان اس زمین پر اللہ کا خلیفہ ہے۔ خلافت کی یہ ذمہ داریاں صنفین میں مشترک ہیں، جس طرح مردوں کو یہ ذمہ داریاں اٹھانی ہیں، اسی طرح عورتوں کو بھی اٹھانی ہیں، مردوں اور عورتوں کے باہمی اشتراک اور تعاون سے ہی یہ ذمہ داریاں ادا ہوسکتی ہیں۔

ان ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے لیے عصری تعلیم ناگزیر ہے۔ جس طرح مردوں کے لیے ناگزیر ہے، اسی طرع عورتوں کے لیے ناگزیر ہے۔ لہذا اگر عورت اس میدان میں آگے بڑھتی اور عصری علوم میں مہارت پیدا کرتی ہے، تو قرآن وسنت کی رو سے اس میں کوئی حرج نہیں۔ البتہ یہاں چند باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

عورتوں کا دائرہ کار وہ نہیں، جو مردوں کا ہے۔ دونوں کے دائرہ کار میں بڑا فرق ہے۔ لہذا عورتوں کے لیے اسی تعلیم میں اپنی قوتیں صرف کرنا مناسب ہوگا، جو ان کے مناسب حال ہو۔ مثلاً طب یا میڈیکل لائن ہے۔ اس کا تعلق مردوں سے بھی ہے، عورتوں سے بھی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مردوں کے علاج کے لیے مرد ڈاکٹر مناسب ہیں، عورتوں کے علاج کے لیے لیڈی ڈاکٹر۔ خاص طور سے نسوانی امراض میں تو مرد ڈاکٹر کسی طرح قابل قبول نہیں۔ اس طرح یہ تعلیم عورتوں کی ایک اہم ضرورت ہے۔ یہ ضرورت پوری کرنے کے لیے عورتوں کا اس میدان میں آنا شریعت کی منشا کے عین مطابق ہے۔ اسی طرح فوج ٹریننگ یا عسکری تعلیم ہے۔ یہ امت مسلمہ کی بھی ضرورت ہے اور صنف نازک کی بھی ضرورت ہے۔ عورت کی کم از کم اتنی فوجی ٹریننگ ضروری ہے، کہ اپنی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کے لیے وہ مرد کی محتاج نہ رہے۔ وقت آنے پر وہ اپنا دفاع خود کر سکے۔ نہ صرف دفاع کر سکے، بلکہ دشمن کو ایسا سبق سکھا سکے، جو ہمیشہ اسے یاد رہے۔ یہی وجہ ہے کہ عہد رسالت میں اگر تمام عورتیں نہیں، تو عورتوں کی ایک بڑی تعداد سپہ گری کے فنون سے اچھی طرح واقفیت، بلکہ ان میں مہارت رکھتی تھی۔ چنانچہ وہ جنگوں میں بھی جاتی تھیں، زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں، ٹوٹی ہوئی ہڈیوں کو جوڑتی اور زخموں کی سلائی کرتی تھیں۔ مجاہدین کے کھانے پینے کا انتظام کرتی تھیں اور وقت آ جائے تو باقاعدہ جنگ میں حصہ لیتی تھیں۔ ابن سعد کی روایت ہے کہ عہد رسالت میں براہ راست جنگی کارروائیوں میں حصہ لینے والی عورتوں کی تعداد چھ سو سے اوپر تھی۔ مختصر یہ کہ عصری تعلیم کے وہ شعبے جن کا براہ راست تعلق عورتوں کے مسائل، عورتوں کے مزاج، عورتوں کی ضروریات، عورتوں کی صلاحیتوں، یا امور خانہ داری سے ہو، ان کا سیکھنا ضروری ہے، بشرطیکہ وہ اس ماحول میں کسی فتنے سے دوچار نہ ہوں۔ یا ان کے دین و ایمان کو کوئی خطرہ لاحق نہ ہو۔ البتہ ایسے علوم جو عورت کی فطرت یا ضرورت سے تعلق نہیں رکھتے، ان میں اپنی قوت اور اپنا وقت لگانا، اپنے وقت اور اپنی توانائی کو ضائع کرنا ہے۔

صلاحیتوں کا اصل میدان

اصولی طور پر ایک مسلم خاتون کی یہ سوچ ہونی چاہیے کہ اس کی صلاحیتوں کا اصل میدان عورتوں اور بچوں کی دنیا ہے، نہ کہ مردوں کی دنیا۔ اس کی اصل ڈیوٹی یہ نہیں ہے کہ وہ کسی آفس میں کلرک، یا کسی جہاز کی پائلٹ، یا کسی بینک کی منیجر، یا کسی فیکٹری کی ڈائرکٹر، یا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کسی فلم کی ایکٹر ہو جائے۔ اس کی اصل ڈیوٹی یہ ہے کہ وہ اپنے گھر کو بنائے سنوارے، پاس پڑوس کی عورتوں کو سکھائے پڑھائے، عزیز و اقارت کے گھروں میں دین کی شمعیں روشن کرے۔ جس حد تک ممکن ہو اپنے سماج کی خدمت کرے۔ جہاں تک ہو سکے اپنے بچوں کی اچھی تربیت کرے اور پھر وہ کسی حالی، کسی شبلی، کسی فراہی، کسی مودودی، کسی حسن البنا، کسی سید قطب، کسی شیخ احمد یٰسین، کسی صلاح الدین ایوبی، یا کسی محمد بن قاسم کی ماں کہلائے! البتہ قوم و ملت کی مصلحت کی خاطر اگر وہ کوئی قربانی دیتی ہے اور اپنے اصل دائرے سے باہر کا کوئی مورچہ سنبھالتی ہے، تو اس کی یہ قربانی قابل قدر ہے۔ جس پر وہ ہر طرح سے ستائش اور بھرپور تعاون کی مستحق ہے۔

غلط پروپیگنڈہ

دشمنان اسلام نے ادھر نہایت ڈھٹائی اور دیدہ دلیری کے ساتھ اس کا بہت چرچا کیا ہے، اور برابر کر رہے ہیں، کہ اسلام میں عورت کے ساتھ ظلم ہوا ہے، اسے ترقی کے مواقع سے محروم رکھا گیا ہے، اسے حجاب و نقاب کی زنجیروں میں جکڑ کر گھر کے زنداں میں محبوس کر دیا گیا ہے۔ اسے وہ حقوق نہیں دیے گئے ہیں، جو مرد کو دیے گئے ہیں، اسے ترقی کے مواقع نہیں حاصل ہیں، جو مرد کو حاصل ہیں۔ اسے تمام اختیارات سے محروم کر کے مرد کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ یہ اور اس قسم کے نہ جانے کتنے اعتراضات ہیں، جو اسلام پر کیے جاتے ہیں اور اس طرح عورت کو دین اسلام سے مایوس یا متنفر کرنے کی مہم چلائی جاتی ہے۔ ان تفصیلات کی روشنی میں بے تکلف کہا جا سکتا ہے، کہ یہ سارے اعتراضات بے بنیاد ہیں۔ یہ سارے اعتراضات دین اسلام سے ناواقفیت اور قرآنی شریعت سے بے خبری کا نتیجہ ہیں، اور اگر ایسا نہیں ہے، تو پھر یقیناً ان کی حیثیت اسلام اور قرآن کے خلاف جھوٹے پروپیگنڈے کی ہے، جس کا محرک اسلام بے زاری اور قرآن دشمنی کو سوا کچھ اور نہیں۔

عزت کا معیار صرف تقویٰ

کھلے ذہن اور صاف دل سے قرآن پاک کا کوئی بھی مطالعہ کرے، اسے کہیں بھی یہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

احساس نہیں ہوسکتا، کہ قرآن نے کہیں بھی عورت کا رتبہ گھٹایا ہے، یا عورت کے مقابلے میں مرد کی برتری اور فوقیت کا چرچا کیا ہے۔ مرد کے مرد ہونے یا عورت کی نسوانیت کو کہیں بھی قرآن نے عزت یا ذلت، برتری یا کمتری کا پیمانہ قرار نہیں دیا ہے۔ اس کے برعکس عزت و برتری کا پیمانہ صرف تقویٰ کو قرار دیا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ

(الحجرات/۱۳)

اے لوگو! ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے ایک ہی مرد اور عورت سے، اور تمہیں قوموں اور قبیلوں کی شکل میں کر دیا، تا کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو، بلاشبہ تم میں سب سے اونچا اور باعزت وہ ہے، جو سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور اس کا فرماں بردار ہو۔ بے شک اللہ جاننے والا اور صحیح علم رکھنے والا ہے۔

ارشاد الٰہی إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ بالکل عام ہے، جس میں مرد عورت، سب داخل ہیں۔ گویا اگر کوئی عورت تقویٰ اور خشیت الٰہی میں دوسروں سے بڑھی ہوئی ہے، تو وہ اپنے رتبے اور مقام کے لحاظ سے ان سب سے برتر اور قابل احترام ہوگی۔ وہ مردوں سے بھی برتر ہوگی، عورتوں سے بھی برتر ہوگی۔ وہ ان تمام لوگوں سے برتر ہوگی، جو تقویٰ سے عاری ہوں گے، یا تقویٰ میں اس سے پیچھے ہوں گے۔ چنانچہ مرد ہونا نہ کسی مرد کے برتر ہونے کی دلیل ہے، نہ عورت ہونا کسی عورت کے فروتر ہونے کی دلیل۔ برتری اور افضلیت کی دلیل صرف تقویٰ اور خدا ترسی ہے، پستی اور کمتری کی دلیل صرف خدا سے دوری اور تقویٰ سے محرومی ہے۔

تقویٰ کا مفہوم

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ قرآن پاک میں تقویٰ کا لفظ بہت جامع ہے، اس کے معنی بس ڈرنے کے نہیں ہوتے۔ یہ بے پناہ خوف الٰہی اور بے پناہ محبت الٰہی کی اس ملی جلی کیفیت کا نام ہے، جس میں انسان نفس کے فتنوں سے بلند ہو کر مکمل طور سے اللہ کا ہو رہتا ہے۔ اللہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی یہ بے پناہ خشیت اور بے پناہ محبت اسی شخص کے اندر پائی جا سکتی ہے، جو خود شناسی اور معرفت الٰہی کے بلند مقام پر فائز ہو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ (فاطر/۲۸)	اللہ کے بندوں میں سے اللہ سے ڈرنے والے وہی لوگ ہو سکتے ہیں، جو علم سے مالا مال ہوں۔

یہیں سے معلوم ہوا کہ تقویٰ کی بنیاد علم ہے، جہالت، تنگ نظری، کور نگاہی سے اس کا کوئی واسطہ نہیں۔ علم میں جتنی گہرائی اور جتنی وسعت ہوگی، اتنی ہی تقوی میں ترقی اور بالیدگی ہوگی۔ دوسرے لفظوں میں یوں بھی کہہ سکتے ہیں، کہ جو جتنا زیادہ متقی ہوگا، علم وفہم کے لحاظ سے اتنا ہی زیادہ نمایاں اور بلند پایہ ہوگا۔ کسی کے سب سے زیادہ متقی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے علم وفہم، دانائی وفراست، حکمت وبصیرت میں سب سے آگے اور سب سے بلند تر ہے۔ اس لیے جب قرآن پاک میں یہ فرمایا گیا کہ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ باعزت وہ ہے، جو سب سے زیادہ متقی ہو، تو اس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ عزت ووجاہت کا معیار مرد یا عورت ہونا نہیں، بلکہ تقویٰ سے آراستہ ہونا ہے۔ اگر عورت زیور تقویٰ سے آراستہ ہوتی ہے، تو اسے بھی وہ ساری عزتیں حاصل ہو سکتی ہیں، جو کسی متقی مرد کو حاصل ہو سکتی ہیں اور وہ ہر اس کرسی پر بیٹھ سکتی ہے، جس پر مرد بیٹھ سکتا ہے۔

عورت اور سیاسی مناصب

یہیں سے یہ بات بھی نکلتی ہے، کہ اگر ضرورت اور حالات کا تقاضا ہو، اور مسلم امت کا اعتماد حاصل ہو تو ایک متقی اور خدا ترس عورت کسی بھی سرکاری عہدے یا حکومت کے کسی بھی ذمہ دارانہ منصب کی اہل قرار پا سکتی ہے۔ وہ کسی گاؤں کی پردھیان، کسی ٹاؤن ایریا کی چیرمین، کسی لوک سبھا یا ودھان سبھا کی ممبر، کسی ضلع کی مجسٹریٹ، کسی صوبے کی گورنر یا وزیر اعلیٰ، کسی ہائی کورٹ یا سپریم کورٹ کی جج یا چیف جج حتی کہ کسی ملک کی وزیر اعظم یا صدر جمہوریہ، یا دوسرے لفظوں میں اسلامی سلطنت کی خلیفہ یا سربراہ بھی ہو سکتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کچھ فقہاء کی رائیں

امام ابن حزم ظاہری اس میں تو کوئی حرج نہیں سمجھتے کہ عورت حکومت کے کسی ذمہ دارانہ منصب کو سنبھالے۔ وہ کسی صوبے کی گورنر یا کسی شعبہ کی وزیر ہو جائے، البتہ خلافت عظمیٰ کا اہل اسے نہیں سمجھتے۔ وہ فرماتے ہیں:

وجائز أن تلي المرأة الحكم، وهو قول أبي حنيفة، وقد روي عن عمر بن الخطاب أنه ولي الشفاء، امرأة من قومه، السوق. ۵

یہ جائز ہے کہ عورت حکومت کا کوئی ذمہ دارانہ منصب سنبھال لے، ابوحنیفہ کی بھی یہی رائے ہے۔ حضرت عمرؓ کے بارے میں روایت ہے کہ انھوں نے اپنی قوم یا قبیلے کی ایک خاتون کو، جن کا نام شفا تھا، مارکیٹ انسپکٹر بنا دیا تھا۔

آگے وہ حدیث (لن یفلح) کا صحیح محمل متعین کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قلنا إنما قال ذلك رسول الله صلى الله عليه وسلم، في الأمر العام الذي هو الخلافة. ۶

ہم کہیں گے، حدیث میں امر سے مراد وہ اقتدار عام ہے، جس کا دوسرا نام خلافت ہے۔

امام صنعانی صاحبِ سبل السلام فرماتے ہیں:

فيه دليل على عدم جواز تولية المرأة شيئا من الأحكام العامة بين المسلمين ...... وذهب الحنفية إلى جواز توليتها الأحكام إلا الحدود. وذهب ابن جرير إلى جواز توليتها مطلقاً. ۷

یہ حدیث بتاتی ہے کہ مسلم امت کے درمیان ہونے والے معاملات میں سے کسی بھی معاملے کا قاضی عورت کو بنانا جائز نہیں ... احناف شرعی حدود کے علاوہ بقیہ معاملات کا اسے قاضی بنانے کو جائز بتاتے ہیں۔ امام ابن جریر طبری کے نزدیک بلا استثناء تمام معاملات یا حادثات کا اسے قاضی بنایا جا سکتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مجمع الأنهر کے مصنف فرماتے ہیں:

یجوز قضاء المرأة فی جمیع الحقوق لکونها من أهل الشهادة ... فلو قضت فی حدّ و قود فرفع إلی قاض آخر فأمضاه، لیس لغیره أن یبطله.[۸]

عورت تمام معاملات یا تمام حقوق میں قضا کا منصب سنبھال سکتی ہے۔ کیونکہ ان میں اس کی گواہی معتبر ہوتی ہے ...... اگر وہ حدود یا قصاص کے معاملے میں فیصلہ کردے، اور کوئی دوسرا قاضی اس کی توثیق کردے، تو پھر کسی کو حق نہیں کہ اسے منسوخ کردے۔

علامہ ابن نجیم مصری صاحب البحر الرائق فرماتے ہیں:

و أما سلطنتها فصحیحة ...... وفی الخلاصة لو قضت فی الحدود والقصاص فرفع إلی قاض آخر فأمضاه لیس لغیره أن یبطله.[۹]

رہی اس کی حکومت وسلطنت تو وہ بالکل درست ہے ...... خلاصہ نامی کتاب میں ہے: اگر عورت حدود و قصاص کے معاملے میں فیصلہ کردے، اور دوسرا قاضی اسے پاس کردے یا اس کی توثیق کردے، تو پھر کسی کو حق نہیں کہ اسے کالعدم قرار دیدے۔

علامہ کمال بن ہمام صاحب فتح القدیر لکھتے ہیں:

ثم هو منسوب إلی الجنس، فجاز فی الفرد خلافه ألا تری إلی تصریحهم بصدق قولنا: الرجل خیر من المرأة، مع جواز کون بعض أفراد النساء خیرا من بعض أفراد الرجال.[۱۰]

یہ حکم جنس نساء کے بارے میں آیا ہے۔ تو اس جنس کے کسی ایک فرد کا حکم اس جنس کے عام حکم کے خلاف بھی ہوسکتا ہے۔ دیکھو، ان کے اس صریح بیان سے ہماری اس بات کی تائید ہوتی ہے، کہ مرد عورت سے افضل ہوتا ہے، لیکن اس کا بھی امکان ہے کہ کچھ عورتیں کچھ مردوں سے افضل ہوں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عورت اور منصب قضا

اس ساری تفصیل سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ امام ابوحنیفہ، امام ابن جریر، امام ابن حزم اور عام علمائے احناف کے نزدیک کوئی مسلم خاتون جج یا قاضی کا عہدہ سنبھال سکتی ہے، جج یا قاضی کا عہدہ سنبھال سکنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ کوئی بھی منصب یا کوئی بھی وزارت سنبھال سکتی ہے، اس لیے کہ کسی بھی سلطنت کے اندر عدلیہ کا منصب سب سے اونچا ہوتا ہے، جس کے سامنے بعض حالات میں وزیر اعظم، یا صدر جمہوریہ یا خلیفہ بھی حاضر ہونے اور جواب دہی کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔

البتہ یہاں فقہائے کرام کی رایوں میں تھوڑا سا اختلاف ہے۔ کچھ رایوں کے مطابق عورت حدود و قصاص کے معاملات میں قاضی کا رول نہیں ادا کرسکتی۔ بقیہ معاملات میں کرسکتی ہے۔ اس طرح گویا اس کا دائرۂ قضا محدود ہے۔ اس کا دائرہ قضا محدود ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے اختیارات کا دائرہ محدود ہے۔ ان محدود اختیارات کے ساتھ وہ منصب خلافت کی اہل نہیں ہوسکتی۔

ایک دوسری رائے کے مطابق عورت بلا استثناء تمام امور میں قاضی کا منصب سنبھال سکتی ہے۔ اس رائے کے حامی ہیں امام ابن جریر طبری اور امام ابن حزم ظاہری۔ اخیر دور کے علماء میں شیخ محمد غزالی کا نام بھی اسی ضمن میں لیا جاسکتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

إن الاسلام لم يخطر على امرأة تولى منصب ما، حاشا الخلافة العظمى۔ [11]

اسلام نے عورت کو کوئی بھی منصب سنبھالنے سے نہیں روکا ہے۔ البتہ وہ خلافت عظمیٰ کی اہل نہیں۔

جو لوگ یہ رائے رکھتے ہیں، ان کے ہاں اصولی طور پر عورت کی اہلیت خلافت میں کوئی رکاوٹ نہیں رہ جاتی، مگر ایک روایت سامنے آجاتی ہے، جو انھیں یہ فتوی دینے سے باز رکھتی ہے۔ وہ روایت ہے: لن يفلح قوم ولوا أمرهم امرأة۔ یعنی وہ قوم کبھی فلاح نہیں پاسکتی، جو اپنی باگ یا زمام کار کسی عورت کے ہاتھوں میں دے دے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایسی صورت میں یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ یہاں کچھ ٹھہر کر ہم اس روایت کو اچھی طرح سمجھ لیں۔ اس کی صحت سند اور صحت متن کے سلسلے میں پورا اطمینان حاصل کر لیں۔

روایت: ''لن یفلح قوم'' کی تحقیق

یہ روایت کا ایک ٹکڑا ہے۔ اس ٹکڑے کو سمجھنے کے لیے پوری روایت سامنے رکھنی ضروری ہے۔ یہ پوری روایت اس طرح ہے:

حدثنا عثمان بن الهيثم حدثنا عوف عن الحسن عن أبي بكرة قال لقد نفعني الله بكلمة سمعتها عن رسول الله ﷺ أيام الجمل بعد ما كدت أن ألحق بأصحاب الجمل. فأقاتل معهم، قال لمابلغ رسول الله ﷺ أن أهل فارس قد ملكوا عليهم بنت كسرى قال لن يفلح قوم ولوا أمرهم امرأة. [۱۲]

حضرت ابوبکرہ فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے مجھے بہت فائدہ پہنچایا جنگ جمل کے موقع پر اس ایک حدیث سے جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی تھی۔ قریب تھا کہ میں اصحاب جمل میں شامل ہو جاؤں اور ان کے ساتھ ہو کر یہ جنگ لڑوں، مگر اسی حدیث نے اس سے باز رکھا، رسول اللہ ﷺ کو جب یہ اطلاع ملی کہ اہل فارس نے کسریٰ کی بیٹی کو تاج و تخت سونپ دیا، تو فرمایا، وہ قوم کبھی بھی فلاح نہیں پا سکتی جو اپنی باگ ڈور حوالہ کر دے کسی عورت کے۔

یہ روایت سند کے لحاظ سے بھی کمزور ہے اور معنی و مضمون کے لحظ سے بھی۔ جہاں تک سند کا تعلق ہے، تو اس کا ایک راوی ہے عوف۔ اس کا پورا نام ہے عوف بن ابی جمیلۃ الأعرابی۔ اس کے بارے میں مشہور محدث بندار کا یہ بیان ہے:

والله لقد كان عوف قدريا رافضيا شيطانا [۱۳]

اللہ کی قسم، عوف تقدیر کا منکر تھا، رافضی تھا، شیطان تھا۔

محمد بن عبداللہ انصاری کہتے ہیں: میں نے داؤد بن ابی ہند کو دیکھا، وہ عوف کو زدوکوب کر رہے تھے اور کہتے جارہے تھے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ویلک یا قدری! [۱۴] تیرا ناس ہو اے منکر قضا وقدر!

یہاں یہ بات بھی بڑی اہمیت رکھتی ہے کہ یہ روایت بیان کی گئی ہے، جنگ جمل کے سیاق میں، ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ کے پس منظر میں، اور حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ کے ساتھ روافض کی دشمنی معروف ہے۔ وہ کسی دلیل وثبوت کی محتاج نہیں۔

سنن ترمذی میں یہی روایت ایک دوسری سند سے آئی ہے، جو اس طرح ہے:

حدثنا محمد بن المثنی حدثنا خالد بن الحارث حدثنا حمید الطویل عن لاحسن عن ابی بکرة قال ... إلی آخر الحدیث. [۱۵]

اس روایت کے راویوں میں ایک راوی ہیں حُمید الطّویل، جو تدلیس میں مشہور تھے، اس لحاظ سے بھی وہ معروف تھے، کہ بھولتے بہت زیادہ تھے۔ ابوبکر البردیجی فرماتے تھے: حمید کی روایت قابل اعتماد یا قابل استناد نہیں، جب تک وہ حدثنا کہہ کے بیان نہ کریں۔

یحییٰ بن یعلی محاربی کہتے ہیں: مشہور ناقد حدیث حضرت زائدہ نے حمید الطّویل کی تمام حدیثیں رد کردی تھیں۔ [۱۶]

طبرانی میں یہی روایت کچھ اختصار کے ساتھ ایک تیسری سند سے آئی ہے، جو اس طرح ہے:

حدثنا عبدالوارث بن ابراھیم أبوعبیدة قال نا عبدالرحمن بن عمرو بن جبلة قال نا أبو عوانة قال نا سماک بن حرب عن جابر بن سمرة. الحدیث [۱۷]

اس سند کے راویوں میں ایک راوی ہیں سماک بن حرب، جن کے بارے میں ائمہ حدیث کی رائیں کچھ اس طرح کی ہیں:

عبداللہ بن مبارک: سماک حدیث کی روایت میں ضعیف ہیں۔

احمد بن حنبل: ان کی روایتوں میں بہت اضطراب ہے۔

ابن حبان: ان کے ہاں غلطیاں بہت زیادہ ہیں۔

سفیان ثوری: وہ ضعیف ہیں۔ [۱۸]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسند الطیالسی اور مصنف بن أبی شیبہ میں بھی یہی روایت ایک چوتھی سند سے آئی ہے، جواس طرح ہے:

حدثنا ابو داؤد قال حدثنا عيينة بن عبدالرحمن بن جوشن عن أبيه عن أبي بكرة. [۱۹]

اس سند کے راویوں میں ایک صاحب ہیں عبداللہ بن جوشن۔ ان کے بارے میں امام احمد کا قول ہے: ليس بالمشهور (وہ معروف آدمی نہیں ہیں)۔[۲۰]

غرض اس سلسلے کی جتنی بھی روایتیں ہیں، وہ سند کے لحاظ سے کمزور اور غیر اطمینان بخش ہیں۔

ایک قابل غور پہلو

ایک خاص بات جو یہاں قابل غور ہے، وہ یہ ہے کہ طبرانی کی روایت کے علاوہ، جس کا ضعف ہم ثابت کر چکے ہیں، جتنی بھی روایتیں اس سلسلے میں آتی ہیں، وہ سب ابوبکرہ کے حوالے سے آتی ہیں، اور ابوبکرہ نے یہ روایت جنگ جمل کے پس منظر میں بیان کی ہے، کہ قریب تھا کہ میں اصحاب جمل میں شامل ہو جاتا، مگر رسول خدا ﷺ سے میں نے یہ روایت سن رکھی تھی۔ اس سے مجھے بہت فائدہ پہنچا اور میں اس غلطی میں پڑنے سے بچ گیا۔

سوال یہ ہے کہ اگر اس روایت کی وجہ سے ابوبکرہ اصحاب جمل میں شریک نہیں ہوئے، کیونکہ ان کی قیادت ایک خاتون (ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ) کے ہاتھ میں تھی، تو وہ دوسرے فریق یعنی خلیفۂ رسول حضرت علیؓ کے لشکر میں کیوں نہیں شریک ہوئے؟ اس لشکر میں شریک ہونے میں کیا چیز مانع ہوئی؟ جب انھوں نے اصحاب جمل میں شریک نہ ہونے کی وجہ بتائی، تو ضروری تھا کہ وہ دوسرے کیمپ میں شریک نہ ہونے کی بھی وجہ بتاتے۔

مضمون حدیث امر واقعہ کے خلاف

مضمون کے لحاظ سے دیکھا جائے تو یہ روایتیں بالکل بے معنی اور امر واقعہ کے خلاف ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیا خود کسریٰ جب تک برسر اقتدار تھا، وہ قوم کو فلاح کی راہ پر لے چل رہا تھا؟! اگر نہیں اور یقیناً نہیں، تو پھر اس کی بیٹی کے برسر اقتدار آنے سے کیا نئی بات ہوگئی؟ آخر کیا مطلب ہے اس موقع پر یہ کہنے کا، کہ وہ قوم کبھی فلاح نہیں پاسکتی، جو اپنی زمام کار کسی عورت کے ہاتھ میں دیدے؟

یہ کسریٰ جس کی بیٹی تخت و تاج کی وارث ہوئی تھی، یہ وہی کسریٰ تو ہے، جس کے پاس رسول اللہ ﷺ کا نامۂ مبارک گیا تھا، جس میں آپ نے اسے اسلام لانے کی دعوت دی تھی۔

وہ نامہ مبارک اسے ملا، تو وہ غصہ سے بھڑک اٹھا، آپ کی شان میں بے انتہا گستاخی کی اور نہایت بدتمیزی کے ساتھ وہ نامہ مبارک پھاڑ کے پھینک دیا۔ نہ صرف نامہ مبارک پھاڑ کے پھینک دیا، بلکہ جو صحابی وہ نامہ مبارک لے کر گئے تھے، ان کے قتل کا حکم دیدیا!

کیا یہ دشمن خدا قوم کو فلاح کا راستہ دکھا رہا تھا؟

پھر تاریخ عالم میں ایسی مثالیں موجود ہیں، کہ زیرک اور رنیک طبیعت عورتوں نے قوموں کی سربراہی کی۔ بہت ہی کامیابی کے ساتھ کی اور قوم کو انھوں نے خوش حالی و فارغ البالی کی جنت میں پہنچادیا۔

تاریخ میں اس کی بھی بے شمار مثالیں ہیں کہ ظالم و جابر اور فاسق و فاجر مردوں نے قوموں کی قیادت کی اور اپنی قوموں کو ذلت و خواری اور تباہی و نامرادی کی دوزخ میں پہنچا کر دم لیا۔

خود قرآن پاک میں دونوں طرح کی مثالیں موجود ہیں۔ وہ ساری قومیں، جن پر ان کی بداعمالیوں کے نتیجہ میں خدا کا قہر نازل ہوا اور چشم زدن میں وہ صفحۂ ہستی سے متادی گئیں ان سب کے سربراہ مرد تھے۔ عورتیں نہیں تھیں۔ اور انہی سربراہ مردوں نے ان قوموں کا بیڑہ غرق کیا، چاہے وہ عاد و ثمود ہوں، یا قوم نوح اور قوم فرعون ہو، یا قوم لوط اور قوم ابراہیم ہو، ان میں سے کسی کی بھی سربراہ عورت نہیں تھی۔

ان قوموں کے علاوہ قرآن میں ایک ایسی قوم کا بھی ذکر آیا ہے، جس کی ملکہ یا سربراہ عورت تھی۔ وہ ہے قوم سبأ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ملکۂ سبا ذریعۂ فلاح تھی

ملکۂ سبا کے پاس حضرت سلیمان علیہ السلام کا نامۂ مبارک پہنچا جس میں اسے اللہ و رسول کی اطاعت میں داخل ہونے کی دعوت دی گئی تھی۔

قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ إِنِّي أُلْقِيَ إِلَيَّ كِتَابٌ كَرِيمٌ. إِنَّهُ مِن سُلَيْمَانَ وَإِنَّهُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ. أَلَّا تَعْلُوا عَلَيَّ وَأْتُونِي مُسْلِمِينَ (سورہ نمل/۲۹-۳۱)

اس نے کہا، اے میری سلطنت کے سردارو! میرے پاس ایک معزز خط پہنچا ہے۔ وہ سلیمان کے پاس سے آیا ہے اور خدائے رحمان و رحیم کے نام سے ہے۔ اس میں کہا گیا ہے، تم لوگ مجھ سے سرکشی نہ کرو اور حاضر ہوجاؤ میرے دربار میں رب کی فرماں بردار ہوکر۔

یہ ملکۂ سبا جسے حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایمان لانے کی دعوت دی تھی، وہ خود مشرک تھی۔ اس کی پوری قوم مشرک تھی۔ ان سب کا الہ اکبر سورج تھا۔ وہ سورج کو پوجتے اور اسے سجدہ کرتے تھے۔

اس زیرک اور نیک فطرت خاتون نے اس نازک موڑ پر کتنی حکمت اور دور اندیشی سے کام لیا۔ کتنی خوبصورتی سے پوری قوم کو ہموار کیا۔ انھیں حضرت سلیمان کی دعوت قبول کرنے پر آمادہ کیا۔ پھر کتنی حکمت و دانائی سے دیکھتے دیکھتے پوری قوم کو ایمان اسلام کے گلشن سعادت میں پہنچادیا۔ دنیا و آخرت کی بربادیوں سے خود بھی بچ گئی، قوم کو بھی بچالیا۔ بے ساختہ اس کی زبان سے نکلا:

رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي وَأَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمَانَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (سورہ نمل/۴۴)

اے میرے رب! میں نے اپنے اوپر بڑا ظلم کیا اور سلیمان کے ساتھ میں نے بھی اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کیا، جو سارے انسانوں کا رب ہے۔

ملکۂ سبا کا یہ اعلان اسلام بظاہر خود اپنے سلسلے میں تھا، لیکن اس پوری سرگزشت کا جو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ماحول ہے اور پوری قوم کو شروع سے اس پر جو اعتماد ہے، وہ یہ سمجھنے کے لیے کافی ہے کہ ملکۂ سبا کا یہ اعلان تنہا اس کی اپنی ذات سے متعلق نہ تھا، بلکہ پوری قوم اس کی ہم نوا وہم رکاب تھی۔ وہ آخر تک اس کے ساتھ رہی۔

شیخ محمد غزالیؒ اسی ضمن میں فرماتے ہیں:

وقص عليهم في هذه السورة قصة ملكة سبأ، التي قادت قومها إلى الايمان والفلاح بحكمتها وذكائها. ۱۲	اس سورہ میں قرآن نے انھیں ملکۂ سبا کا قصہ سنایا، جس نے اپنی حکمت اور ذہانت سے اپنی پوری قوم کو ایمان اور فلاح کی بلندیوں تک پہنچادیا۔

ایک طرف ایک نیک، سلیم الفطرت اور دیدہ ور خاتون کی قیادت وسربراہی کی یہ بے پناہ برکتیں ہیں۔ دوسری طرف نادان، متکبر، ناعاقبت اندیش اور ظالم و جابر بادشاہوں اور سربراہوں کی بدبختیاں اور سیہ کاریاں، کہ وہ خود بھی ہلاک ہوئے، قوم کو بھی ہلاک کیا، خود بھی ڈوبے، قوم کا بیڑہ بھی غرق کیا۔ یہ دونوں قسم کی مثالیں سامنے ہیں۔ اب اس کے بعد اس قول میں کتنا وزن ہے کہ ہرگز ہرگز وہ قوم فلاح نہیں پاسکتی جو اپنی زمام کار عورت کے ہاتھوں میں دیدے!

ملکۂ سبا کی یہ مثال کوئی ایک مثال نہیں، تاریخ کے مختلف ادوار میں، نہ جانے کتنے ہی ملکوں میں مردوں کے دوش بدوش عورتوں نے بھی زمام اقتدار سنبھالا۔ مسلم عورتوں نے بھی سنبھالا، غیر مسلم عورتوں نے بھی اور یہ تاریخ کی شہادت ہے کہ وہ عورتیں اپنی سیاست، حسن تدبیر اور حسن انتظام میں اپنے ہم رتبہ مردوں سے پیچھے نہیں رہیں، بلکہ بعض پہلوؤں سے ان سے زیادہ کامیاب رہیں اور اپنی قوم وملک کے لیے رحمت ثابت ہوئیں۔

عروج وزوال کا راز

قوموں کے عروج وزوال یا ادبار واقبال کا تعلق سربراہ قوم کے مرد یا عورت ہونے سے نہیں ہوتا۔ اس کا تمام تر تعلق قوم کی اخلاقی حالت اور حاکموں کے طرز سیاست سے ہوتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔ جو قوم اخلاقی قدروں کا احترام کرتی اور عدل و انصاف کو اپنا شیوہ بناتی ہے، وہ پھلتی پھولتی اور دن دونی رات چوگنی ترقی کرتی ہے۔ اس کے برعکس جو قوم غلط روش اور ناپاک سیاست اپناتی ہے اور ظلم و استبداد کے ستونوں پر اپنے قلعے تعمیر کرتی ہے، وہ دیر سویر برے انجام سے دوچار ہوتی اور دنیا کے لیے نمونہ عبرت بن جاتی ہے۔

ان ساری وضاحتوں کے بعد شاید یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ عورت کی قیادت اور اس کی سربراہی نہ صرف یہ کہ جائز اور مباح ہے، بلکہ بعض حالات میں مستحب اور بسا اوقات فرض اور واجب کا درجہ اختیار کر لیتی ہے۔ مثال کے طور پر کسی مسلم اسٹیٹ میں چند اشخاص ہیں، جو سربراہی سلطنت یا وزارت عظمیٰ کے امیدوار ہیں اور بدقسمتی سے وہ سب کے سب فاسق و فاجر، ناخدا ترس اور بے دین ہیں۔ قسمت سے قوم کے اندر کوئی ایسی خاتون موجود ہے، جو زیور تقویٰ سے آراستہ ہے۔ انتظامی صلاحیت، خاندانی وجاہت اور سیاسی سوجھ بوجھ کی مالک ہے اور دین وملت کا مفاد اس سے وابستہ ہے۔ ایسی صورت میں محض عورت ہونے کے بنیاد پر اس خاتون کو نظر انداز کر دینا اور محض مرد ہونے کی بنیاد پر کسی فاسق و فاجر کی حمایت کرنا اور سربراہی ملت کے لیے اس کا انتخاب کرنا، کیا انتہائی سنگین جرم اور کیا دین ملت کے ساتھ زبردست خیانت نہ ہوگی؟

جن لوگوں نے مذکورہ بالا روایتوں کو بنیاد بنا کر عورت کی سربراہی کی حرمت کا فتویٰ دیا ہے، افسوس ہے انھوں نے نہ ان کے راویوں کو پرکھا، نہ ان کے مضمون پر غور کیا۔ انھوں نے اس بات پر غور نہیں کیا، کہ قرآن پاک نے بار بار قوموں کے عروج و زوال کے فلسفے اور اس کے اسباب و علل پر روشنی ڈالی ہے، لیکن کہیں دور و نزدیک سے اس چیز کی طرف اشارہ نہیں کیا کہ عورت کی سربراہی بھی قوموں کے زوال کا سبب بنتی ہے۔

قرآن کا قانون زوال وانحطاط

کیا حرج ہے، اس سلسلے کی کچھ آیات پر ایک نظر ڈالتے چلیں، اور یہ سمجھتے چلیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قوموں کے زوال وانحطاط کا کیا قانون ہے؟ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۱) أَلَمْ يَرَوْا كَمْ أَهْلَكْنَا مِن قَبْلِهِم مِّن قَرْنٍ مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّن لَّكُمْ وَأَرْسَلْنَا السَّمَاءَ عَلَيْهِم مِّدْرَارًا وَجَعَلْنَا الْأَنْهَارَ تَجْرِي مِن تَحْتِهِمْ فَأَهْلَكْنَاهُم بِذُنُوبِهِمْ وَأَنْشَأْنَا مِن بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِينَ (سورہ انعام/۶)

کیا انھوں نے دیکھا نہیں، ہم نے ان سے پہلے کتنی قومیں ہلاک کردیں۔ ہم نے انھیں وہ اقتدار عطا کیا تھا، جو تمھیں عطا کیا اور چھوڑ دیا ان پر آسمان کو خوب برستا ہوا اور نہریں رواں کردیں ان کے قدموں کے نیچے سے، تو ہم نے انھیں ہلاک کردیا ان کے گناہوں کی پاداش میں اور ان کے بعد دوسرے لوگوں کو پیدا کیا۔

(۲) فانتقمنا منهم فأغرقناهم في اليم بأنهم كذبوا بآياتنا وكانوا عنها غافلين (الأعراف/۱۳۶)

تو ہم نے ان (آل فرعون) سے انتقام لیا، انھیں غرق کردیا سمندر میں، کیونکہ انھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔ وہ اپنی غفلت سے باز نہیں آئے۔

(۳) وَكَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَمَا بَلَغُوا مِعْشَارَ مَا آتَيْنَاهُمْ فَكَذَّبُوا رُسُلِي فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ (سورہ سبا/۴۵)

ان سے پہلے کے لوگوں نے بھی جھٹلایا تھا، یہ اس کے عشر عشیر کو بھی نہیں پہنچ سکے ہیں، جتنا ہم نے انھیں دیا تھا، تو انھوں نے ہمارے رسولوں کو جھٹلادیا، تو کیسی رہی ہماری مار!!

(۴) أَهُمْ خَيْرٌ أَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ أَهْلَكْنَاهُمْ إِنَّهُمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ (الدخان/۳۷)

قوت وسطوت اور مال و دولت کے لحاظ سے یہ زیادہ اچھی حالت میں ہیں، یا قوم تبّع اور ان سے پہلے کے لوگ تھے؟ ہم نے ان سب کو ہلاک کردیا۔ وہ سب مجرم لوگ تھے!

یہ چند آیتیں ہیں، جو نہایت واضح انداز میں قوموں کے عروج وزوال کے اسباب کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نشان دہی کرتی ہیں، لیکن اس بات کی طرف وہ ذرا بھی اشارہ نہیں کرتیں، جس کا ان روایتوں میں تذکرہ ہے۔

اسلامی حجاب کی روح

ہوسکتا ہے یہاں یہ کہا جائے کہ مسلم خاتون کے ساتھ حجاب ونقاب کی پابندیاں ہیں۔ ان پابندیوں سے لازمی طور پر اس کا دائرۂ عمل تنگ ہو جاتا ہے۔

وہ نامحرم لوگوں کے سامنے اپنا چہرہ نہیں کھول سکتی۔ نامحرم لوگوں کے ساتھ سفر نہیں کرسکتی، نامحرم لوگوں کے ساتھ بغیر کسی محرم کو ساتھ لیے بیٹھ نہیں سکتی، پھر وہ سربراہ سلطنت کا عہدہ کیونکر سنبھال سکتی ہے؟ اس عہدے کی ذمہ داریوں سے کیونکر عہدہ برآ ہو سکتی ہے؟

یہ سارے سوالات ہمارے ذہنوں میں صرف اس لیے پیدا ہوتے ہیں کہ ایک نہایت اہم حقیقت سے ہم غافل ہو جاتے ہیں۔ حجاب ونقاب کی ساری پابندیاں اصلاً عورت کا دائرہ عمل تنگ کرنے کے لیے نہیں ہیں، بلکہ اس کی جان اور اس کی عزت وآبرو کی حفاظت کے لیے ہیں۔ یہ پردہ اسے ترقی کے مواقع سے محروم کرنے کے لیے نہیں، بلکہ اس کی قیمتی صلاحیتوں اور بے پناہ خوبیوں کو ضائع ہونے سے بچانے کے لیے ہے۔ یہ صنفین کی بھلائی اور ان کے قلب و روح کی طہارت کے لیے ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعاً فَاسْأَلُوهُنَّ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ ذَلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ. (سورہ احزاب/۵۳)

اور جب تم ان سے کوئی چیز مانگوں تو پردے کے پیچھے سے مانگو، تمہارے دلوں کی طہارت بھی اسی میں ہے۔ ان کے دلوں کی طہارت بھی اسی میں ہے۔

گویا قلب وروح کی طہارت ہی حجاب کا اصل مقصد ہے۔ اس سے عورت کی عزت اور قدر و منزلت ظاہر ہوتی ہے، نہ کہ اس کی مجبوری یا بے بسی۔

بلاشبہ عورت کے لیے اس کے اپنے خاص مزاج اور خاص حالات کے پیش نظر یہ پسند کیا گیا ہے کہ وہ اندرون خانہ کی ذمہ داریاں سنبھالے، خاندان کے بچوں کی اچھی پرورش اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اچھی تربیت کرے۔ پاس پڑوس کی عورتوں میں دینی شعور اور دینی جذبہ پیدا کرے۔ ان کی اچھی تعلیم و تربیت کے لیے جو کچھ کر سکتی ہو، اس میں کوتاہی نہ کرے۔ وہ اپنا زیادہ وقت عورتوں اور بچوں میں گزارے اور اگر کسی ضرورت سے مردوں کی دنیا میں قدم رکھے، تو پردے کا اہتمام کرے۔ تاکہ وہ خود کسی فتنے میں پڑے، نہ کسی دوسرے کے لیے فتنہ بنے۔

یہ سب صحیح ہے اور یہ سب کچھ عورت کی فطرت، طبیعت اور رغبت کے عین مطابق ہے، لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اسلامی حجاب کبھی عورت کے پیر کی بیڑی یا اس کی راہ کا روڑا نہیں بنتا۔ چنانچہ وقت آجائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہوتا کہ پردہ نشین مسلم خاتون اپنے مخصوص دائرے سے نکل کر میدان جنگ میں جا کھڑی ہو اور اپنے آنچل سے اک پرچم بنا کر دین و ملت کے ناموس کی خاطر جاں بازی و سرفروشی کی نئی داستان رقم کرے اور اپنے گرم گرم خون سے کشت اسلام کی رگوں میں زندگی و توانائی کی اک نئی لہر دوڑا دے۔

عورتیں میدان جہاد میں

عہد رسالت اور عہد خلافت میں بارہا ایسا ہوا کہ صحابیات میدان جنگ میں گئیں، مجاہدین کے کھانے پینے کا انتظام سنبھالنے اور زخمیوں کا علاج اور مرہم پٹی کرنے، مگر وقت آیا تو انھوں نے ہتھیار بھی سنبھال لیے، وہ باقاعدہ جنگ میں کود پڑیں اور اپنی جاں بازی و سرفروشی میں مردوں سے پیچھے نہیں رہیں۔

غزوۂ احد میں حضرت نسیبہؓ بنت کعب کی مثالی جاں بازی و سرفروشی کو تاریخ کیونکر فراموش کر سکتی ہے؟ جب مسلم فوج میں افراتفری مچی ہوئی تھی اور رسالت مآب ﷺ دشمنوں کی زد میں، بلکہ دشمنوں کے نرغے میں تھے، اس وقت گنتی کے چند صحابہ آپ کو اپنے حصار میں لیے ہوئے تھے اور دشمنوں کو تابڑ توڑ حملوں کا مردانہ وار مقابلہ کر رہے تھے، ان منتخب اور سرفروش مجاہدین میں حضرت نسیبہؓ بنت کعب بھی شامل تھیں۔ وہ شمشیر بکف اور پروانہ وار آپ کے گرد گردش کر رہی تھیں اور چاروں طرف سے دشمنوں کا مقابلہ کر رہی تھیں۔ ۲۲

اما ذہبیؒ حضرت نسیبہؓ کے اس جذبہ سرفروشی کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شهدت ام عمـــارة ليلة العقبة وشهـدت احـداً و الـحـديبية ويـوم حـنيـن ويـوم اليـمـامة وجـاهدت وفعلت الافاعيل ، روى لها احاديث وقطعت يدها فى الجهاد۔ ۲۳ے

ام عمارہ (یعنی حضرت نسیبہؓ) لیلۃ العقبہ میں بھی موجود تھیں۔ وہ غزوۂ احد، غزوۂ حدیبیہ، غزوۂ حنین اور جنگ یمامہ میں بھی موجود تھیں۔ وہ جہادوں میں شریک رہیں اور حیرت ناک کارنامے انجام دیتی رہیں۔ تاریخ میں ان کے بڑے واقعات مذکور ہیں۔ جہاد میں ان کا ایک ہاتھ بھی کٹ کر الگ ہو گیا تھا۔

یہ صرف نسیبہؓ بنت کعب کی بات نہیں، اسلامی جنگوں میں مسلم خواتین کی شرکت کے واقعات ایک دو نہیں، بہت ہیں۔ اسلامی فتوحات میں ان کا جوزبردست رول رہا ہے، وہ ناقابل فراموش ہے۔

حجاب کسی بھی کام میں مانع نہیں

اگر مسلم خاتون کے لیے اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ وقت آجائے تو وہ اپنے مخصوص دائرے یا متعین حدود سے نکل کر میدان جنگ میں پہنچ جائے اور آئینہ و مشاطہ پھینک کر سنان و شمشیر سنبھال لے، تو آخر اس میں کیا حرج ہے کہ وہ مرکز خلافت میں بیٹھ کر سربراہی قوم کے فرائض انجام دے اور کتاب وسنت کے مطابق امت کی قیادت کرے۔

پھر مرکز خلافت میں بیٹھنے اور خلافت کی ذمہ داریاں ادا کرنے کے لیے ہرگز ضروری نہیں کہ وہ حجاب و نقاب کی پابندیوں سے آزاد ہو جائے۔ وہ حجاب و نقاب کی پابندیوں کے ساتھ قوم سے خطاب بھی کرسکتی ہے، انٹرنیشنل کانفرنسوں میں شریک بھی ہوسکتی ہے، ودھان سبھا اور لوک سبھا کی منٹگیں بھی کرسکتی ہے۔ ملک اور بیرون ملک کے دورے بھی کرسکتی ہے۔ وہ ساری ذمہ داریاں سنبھال سکتی ہے، جو ایک مرد خلیفہ سنبھال سکتا ہے اور اگر اس کا شوہر ہے، تو اس شوہر کے حقوق بھی ادا کرسکتی ہے، بچے ہیں تو ان بچوں کی بہترین تربیت بھی کرسکتی ہے۔

اسلامی حجاب اسے کسی کام سے روکتا نہیں۔ اس کے برعکس حکمرانوں اور سربراہوں کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بہت سی فضولیات اور بہت سے فتنوں سے اسے بچاتا اور اس کے وقار و احترام اور ہیبت و عظمت میں اضافہ کرتا ہے۔

امامت صغری اور کبری کا مسئلہ

اس موقع پر یہ بات بھی کہی جاتی ہے کہ عورت اگر امامت صغری کی اہل نہیں، تو امامت کبری کی اہل کیسے ہو جائے گی؟ یعنی اگر وہ نماز میں مردوں کی امامت نہیں کر سکتی تو امور خلافت و قیادت میں ان کی امامت کیسے کرے گی؟

یہ دلیل بظاہر بڑی وزنی معلوم ہوتی ہے، لیکن حقیقت میں اس میں کوئی وزن نہیں۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے، اگر عورت کی امامت جائز نہیں، تو کیا کسی فاسق و فاجر کی امامت جائز ہے؟ اگر نہیں، اور یقیناً نہیں، تو امامت کبری کا اہل وہ کیسے قرار پائے گا؟

کسی فاسق و فاجر مرد کے مقابلے میں ایک دین دار اور خدا ترس مسلم خاتون امامت کبری کی بھی زیادہ اہل ہے اور موقع آ جائے تو امامت صغری کی بھی۔

شریعت اسلامی میں کسی فاسق و فاجر انسان کے لیے کوئی جگہ نہیں، وہ کسی اسلامی سلطنت میں ایک جاروب کش کی حیثیت سے بھی رہنے کا حق نہیں رکھتا، چہ جائے کہ فرماں روائے سلطنت کی حیثیت سے!

اس کو ملت اسلامیہ کی بدنصیبی ہی کہا جا سکتا ہے، یا صحیح تر لفظوں میں عذاب الٰہی کہ آج مسلم ملت کے سروں پر ہر جگہ فاسق و فاجر ہی مسلط ہیں، جو مکمل طور سے طاغوت کے آگے سجدہ ریز ہیں اور غیرت مند فرزندان اسلام سے بھی اسی بے غیرتی کی توقع رکھتے ہیں۔ یہ توقع پوری نہیں ہوتی تو نہایت بے حیائی کے ساتھ وہ چیتے کی کھال پہن لیتے ہیں۔ پھر ان فرزندان اسلام کے ساتھ وہ سب کچھ کر گزرتے ہیں، جس سے انسان تو انسان، جنگل کے درندے بھی شرما جائیں!

یہاں یہ بات تو واضح ہے کہ عورت کی سربراہی کا مسئلہ اسی وقت آتا ہے، جب مقابلے میں فاسق و فاجر اور نااہل اشخاص ہوں۔ لیکن اگر میدان میں صالح، متقی اور باصلاحیت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اشخاص ہوں تو ان کی موجودگی میں کسی عورت کے آگے بڑھنے کا کیا سوال؟

مسلمانوں کی صفوں میں اگر کوئی ابو بکر صدیق، کوئی عمر فاروق، کوئی حیدر کرار، کوئی عمر بن عبدالعزیز، کوئی نورالدین زنگی یا کوئی صلاح الدین ایوبی موجود ہو، تو پھر کسی عائشہ، کسی حفصہ، کسی سمیہ، کسی رقیہ یا کسی خنساء یا مروہ کے میدان میں آنے کا کیا سوال؟

یہ سوال تو اسی وقت پیدا ہوتا ہے، جب میدان میں کوئی پرویز مشرف، کوئی حسنی مبارک، کوئی ابو مازن یا کوئی حامد کرزئی ہو۔

ایسی صورت میں کوئی مسلم خاتون اگر تقوی کے زیور سے آراستہ اور سوجھ بوجھ اور حسن تدبیر کی صلاحیتوں سے مالا مال ہے، تو کوئی وجہ نہیں کہ مسلم امت اسے آگے نہ بڑھائے اور اس کے لیے وفاداری کا حلف نہ اٹھائے۔

امارت اور امامت کا فرق

کسی کے سربراہ سلطنت ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ نمازوں کی امامت بھی کر سکے، اس شرح کا مأخذ اور اس کی بنیاد کیا ہے؟

امامت نماز کے الگ آداب ہیں۔

امارت و سربراہی کی الگ شرطیں ہیں۔

امامت تنہا ایک فرد کا عمل ہوتا ہے۔ خلافت و امارت تنہا ایک فرد کا عمل نہیں ہوتا۔ خلافت و امارت کا عمل پوری ایک ٹیم کے اشتراک و تعاون سے انجام پاتا ہے۔ جب کہ امامت صلاۃ کی یہ کیفیت نہیں ہوتی۔ اس کی پوری ذمہ داری تنہا ایک فرد یعنی امام پر ہوتی ہے۔ جیسا کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا ہے:

امام مقتدیوں کی نمازوں کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ (الإمام ضامن)

لہذا ان دونوں چیزوں کو ایک کر دینا، یا ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا صحیح نہیں۔

اس مسئلے کو ایک دوسرے زاویے سے بھی دیکھا جا سکتا ہے، جس طرح عورت مردوں کی امامت نہیں کر سکتی، اسی طرح مرد بھی خالص عورتوں کی جماعت کا امام نہیں ہو سکتا۔ مرد امام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اصل میں امام ہوتا ہے مردوں کی جماعت کا۔ اس جماعت کے پیچھے اگر عورتوں کی جماعت کھڑی ہو جاتی ہے تو یہ اقتداء براہ راست نہیں، بالواسطہ ہوتی ہے۔

امام ابوداؤد نے ایک روایت نقل کی ہے، جس سے اس مسئلے کو سمجھنے میں مدد لی جاسکتی ہے:

عن الوليد بن جميع عن عبدالرحمن بن خلاّد عن أم ورقة بنت عبدالله قال وكان رسول الله ﷺ يزورها في بيتها، قال وجعل لها مؤذنا يؤذن لها و أمرها أن تؤمّ أهل دارها قال عبدالرحمن فأنا رأيت مؤذنها شيخا كبيرا۔ ۲۴

ولید بن جمیع نے روایت کی عبدالرحمٰن بن خلاّد سے، انھوں نے روایت کی ام ورقہ بنت عبداللہ سے۔ وہ کہتے ہیں، رسول اللہ ﷺ ام ورقہ سے ملنے ان کے گھر جایا کرتے تھے، انھوں نے کہا، آپؐ نے ان کے لیے ایک موذن مقرر فرمادیا تھا، جو اذان دیا کرتا تھا اور ام ورقہ سے فرمایا، کہ وہ اپنے گھر یا خاندان والوں کی امامت کیا کریں۔ عبدالرحمٰن کہتے ہیں، میں نے خود ان کے موذن کو دیکھا ہے، وہ کافی بوڑھے سن رسیدہ ہو گئے تھے۔

یہ روایت سنن ابی داؤد کی ہے، کچھ تھوڑے سے فرق کے ساتھ یہی روایت مسند احمد، مصنف ابن ابی شیبہ، السنن الکبری للبیھقی، المستدرک للحاکم، المعجم الکبیر للطبرانی، دلائل النبوۃ للبیھقی، سنن الدارقطنی اور صحیح ابن خزیمۃ میں بھی آئی ہے۔

ام ورقہ کے لیے باقاعدہ موذن مقرر کرنے اور خود انھیں امامت پر مامور کرنے کا صاف مطلب یہ ہے، کہ وہاں باقاعدہ نماز باجماعت ہوتی تھی، جو خاندان کی عورتوں مردوں، دونوں پر مشتمل ہوتی تھی۔ بالفرض مردوں میں اگر کوئی اور نہ ہو، تو کم از کم موذن تو رہتے ہی تھے، جو ام ورقہ کی امامت میں نماز پڑھتے تھے۔

یہیں سے فقہاء کرام میں یہ اختلاف ہوا کہ مرد کے لیے عورت کی امامت صحیح ہے یا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں؟ عورت کے امامت میں مرد نماز پڑھے تو اس کی نماز ہوگی یا نہیں؟

امام شافعیؒ کے ہاں اس شخص کی نماز دہرانی ہوگی۔

امام ابوثور کہتے ہیں: اس کی نماز ادا ہوگئی۔ اب اسے دہرانے کی ضرورت نہیں۔ امام مزنی کا بھی یہی مذہب ہے۔[۲۵]

فقہاء کے اس اختلاف سے قطع نظر، یہاں دیکھنے کی اصل چیز یہ ہے کہ ایک صحابیہ جو قرآن کی حافظہ تھیں، ان کے لیے خاندان کے مردوں کی امامت جائز کی گئی، اس لیے کہ یہاں ان باتوں کا خطرہ نہیں تھا، جن کا ہم نے اوپر ذکر کیا گیا۔

عورت اگر مردوں کی جماعت کی امامت نہیں کرتی، یا نہیں کر سکتی، تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ اصلاً وہ امامت کی اہل نہیں ہے۔ اس کی وجہ بس یہ ہے کہ یہ چیز نماز کے خشوع اور ایک نمازی کی یکسوئی پر اثر انداز ہو سکتی ہے۔

مرد کی قوّامیت کا مسئلہ

سورہ نساء کی ایک آیت ہے:

الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا أَنفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ (النساء/۳۴)	مرد عورتوں کے قوّام ہیں، بایں سبب کہ اللہ نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے بھی کہ مرد ہی اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔

اس آیت کا سہارا لے کر کہنے والے کہتے ہیں، جب مرد عورتوں کے قوام ہیں، تو عورتیں مردوں کی امیر اور ان کی سربراہ کیونکر ہو سکتی ہیں؟

جو لوگ یہ بات کہتے ہیں، وہ چند واضح حقیقتوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں:

اولاً: اس آیت میں ایک جنس کی دوسری جنس پر، یا صنف رجال کی صنف نساء پر قوامیت کا بیان نہیں ہے۔ بلکہ بیویوں پر شوہروں کی قوامیت کا بیان ہے۔ یعنی شوہر اپنی بیوی کا قوّام ہوتا ہے۔ وہ صرف اپنی بیوی کا قوام ہوتا ہے، کسی دوسری عورت کا نہیں۔ اسی طرح وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عورت بس اپنے شوہر کی قوامیت میں ہوتی ہے، کوئی دوسرا شخص اس کا قوام نہیں ہوتا۔

اب فرض کیجیے، کوئی عورت بیوہ ہے، اس کے شوہر کا انتقال ہو چکا ہے، تو اب تو اس کا کوئی قوام نہیں رہا۔ اب اس کے سربراہ مملکت ہونے میں کیا مانع ہے؟

ثانیاً: شوہر کی قوامیت کا ایک محدود دائرہ ہوتا ہے، وہ اس محدود دائرے میں بیوی کا قوام ہوتا ہے۔ یہ قوامیت اس میں مانع نہیں ہوتی کہ عائلی زندگی سے باہر وہ اپنی سربراہ بیوی کا تابع فرمان بن جائے۔

اس کی مثال ایسی ہی ہے، جیسے ایک بیٹا اپنے والدین کا تابع فرمان اور اطاعت گزار ہوتا ہے، مگر خلیفہ یا سلطان، یا صدر مملکت ہونے کی حیثیت سے وہ اپنے والدین کا قائد اور امیر بھی بن جاتا ہے۔ والدین اس کے عہد اطاعت میں داخل ہو جاتے ہیں۔

ثالثاً: صنف یا جنس (Sex) شوہر بیوی ہونے میں تو قابل لحاظ ہوتی ہے، یعنی یہ طے ہے کہ مرد ہمیشہ شوہر ہوگا، عورت ہمیشہ بیوی ہوگی، لیکن سلطنت یا قیادت کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ اس کا تعلق جنس یا صنف سے نہیں ہوتا۔

اس کا تعلق کچھ اوصاف، کچھ قدروں اور کچھ صلاحیتوں سے ہوتا ہے، وہ اوصاف اور وہ صلاحیتیں جن کے اندر پائی جائیں گی، وہ امارت یا قیادت کے اہل ہوں گے۔ جو ان اوصاف اور ان صلاحیتوں سے عاری ہوں گے، وہ نااہل قرار پائیں گے۔

یہ اوصاف اور یہ قدریں نظر انداز ہو جاتی ہیں، تو یہی وہ وقت ہوتا ہے جب قوم کے سروں پر فرعون اور نمرود، کمال اتاترک، جمال عبدالناصر اور حسنی مبارک جیسے طاغوت مسلط ہو جاتے ہیں اور قوم ذلت و نامرادی کے نظرات سے دوچار ہو جاتی ہے۔

اور اگر خلافت و امارت کے لیے ان کی ضروری صفات اور بنیادی شرطیں سامنے رہیں تو پھر عورت یا مرد ہونا کوئی اہمیت نہیں رکھتا، جو بھی ان صفات سے متصف ہوگا، چاہے وہ مرد ہو یا عورت، وہ امارت کا اہل قرار پائے گا، جو ان صفات سے عاری اور ان شرطوں سے خالی ہوگا، چاہے مرد ہو یا عورت، وہ نااہل قرار پائے گا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مرد ہونا ایک ترجیحی وصف

یہاں یہ بات بھی قابل لحاظ ہے، کہ خلافت و امارت کے لیے مرد ہونا کوئی بنیادی وصف تو نہیں، لیکن ترجیحی وصف ضرور ہے۔ یعنی فاسق و فاجر یا نا اہل مردوں کے مقابلے میں تو بلاشبہ متقی اور دین دار خاتون کو ترجیح حاصل ہوگی، لیکن اگر مقابلے میں متقی اور دین دار مرد ہوں، یعنی دین دار خاتون کا دین دار مرد سے مقابلہ ہو اور وہ مرد اپنی وجاہت، فہم و فراست اور دیگر اوصاف جہاں بانی میں اس خاتون سے کسی طرح کم نہ ہو، تو اس صورت میں عورت کے مقابلے میں مرد کو ہی ترجیح حاصل ہوگی، کیونکہ خود پیدا کرنے والے نے مرد کو عورت پر یک گونہ فضیلت دی ہے۔ ارشاد فرمایا:

وللرجال علیهن درجة (بقرہ:۲۲۸) مردوں کو ان پر یک گونہ فضیلت حاصل ہے۔

وجہ اس کی ظاہر ہے۔ مرد پیدائشی طور پر عموماً عورت سے زیادہ مضبوط، توانا اور حوصلہ مند ہوتا ہے۔ اس کے اعصاب میں حالات کا مقابلہ کرنے کی زیادہ طاقت ہوتی ہے۔ ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے پر وہ زیادہ قادر ہوتا ہے۔

غالباً یہی وجہ ہے کہ کار نبوت اور منصب رسالت کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ سماج کے صالح ترین مردوں کا انتخاب کیا۔ اس لیے کہ اس راہ کی صعوبتیں برداشت کرنا اور متوقع خطرات کا مقابلہ کرنا صنف نازک کے بس کی بات نہ تھی۔

خلاصۂ بحث

قصۂ کوتاہ، قرآن کی رو سے ایک دین دار اور صاحب صلاحیت خاتون کے سربراہ سلطنت ہونے، یا حکومت کا کوئی بھی چھوٹا بڑا عہدہ سنبھالنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ موقع آجائے اور حالات سازگار ہوں تو وہ بے تکلف کوئی بھی عہدہ سنبھال سکتی ہے۔

گرچہ عورت کے خود اپنے حالات، طبیعت کی افتاد اور جسمانی و ذہنی ساخت کو دیکھا جائے، تو اس کا اصل میدان کچھ اور ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عورت کا اصل میدان اور اصل کام قیادت کرنا نہیں، بلکہ قائدین کی ماں بننا، قائدین کی پرورش کرنا اور قائدین کی کھیپ تیار کرنا ہے اور یہ بہت بڑا کام ہے، جو اپنی عظمت اور اہمیت کے لحاظ سے قیادت و سربراہی سلطنت سے کسی بھی درجہ میں کم نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلم خاتون اگر اپنے اس مقام بلند کو پہچان لے اور پورے شعور اور جذبہ کے ساتھ یہ محاذ سنبھال لے، تو دیکھتے دیکھتے ملت اسلامیہ کے حالات بدل جائیں۔ اس کی یہ فصل خزاں بہار میں تبدیل ہو جائے اور وہ کامرانی و شادمانی کی ان وسعتوں اور ان بلندیوں تک پہنچ جائے، جس کا وہ پہلے سے اندازہ نہیں کر سکتی۔

عورت کی سماجی حیثیت کے تعلق سے ایک اور آیت آتی ہے، جس کے سمجھنے میں عام طور سے غلطی ہوتی ہے، قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاسۡتَشۡهِدُوۡا شَهِيۡدَيۡنِ مِنۡ رِّجَالِكُمۡ فَإِنۡ لَّمۡ يَكُوۡنَا رَجُلَيۡنِ فَرَجُلٌ وَّامۡرَأَتَانِ مِـمَّنۡ تَرۡضَوۡنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَنۡ تَضِلَّ إِحۡدَاهُـمَا فَتُذَكِّرَ إِحۡدَاهُمَا الۡأُخۡرٰى

(البقرہ/۲۸۲)

اور تم گواہ بناؤ اپنے مردوں میں سے دو گواہوں کو، اب اگر دو مرد نہ ہوں، تو ایک مرد دو عورتیں، ان گواہوں میں سے جو تمہارے نزدیک پسندیدہ اور قابل اطمینان ہوں دو عورتیں اس لیے کہ اگر ایک غلطی میں پڑے تو ان میں سے ایک دوسری کو ہوشیار کردے۔

گواہی کے لیے دو عورتیں کیوں؟

اس آیت سے عام طور سے یہ غلط فہمی ہوتی ہے کہ عورت کی گواہی نصف گواہی مانی گئی ہے۔ شاید ایسا نہیں ہے۔ گواہی میں ایک مرد کے مقابلے میں دو عورتیں رکھنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ عورت کے اعتبار و ثقاہت میں کوئی کمی ہے۔ یا اپنے رتبے میں وہ مرد سے فروتر ہے۔

یہاں مردوں اور عورتوں کی درجہ بندی مقصود نہیں۔

یہاں اس آیت کا ماحول یہ ہے کہ آپس کے ادھار لین دین، اور طویل المیعاد مالی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معاملات میں گواہ بننا اور گواہیاں دینا اصلاً مردوں کا کام ہے، عورتوں کا نہیں۔ لیکن اگر کہیں یہ صورت پیش آ جائے کہ دو قابلِ اعتماد مرد نہیں مل رہے ہیں، جو گواہ بننے کی اہلیت رکھتے ہوں تو ایسی صورت میں عورتوں کے ذریعہ اس مسئلے کو حل کیا جاسکتا ہے۔ مرد کے ساتھ عورت کو ملا کر گواہی کا نصاب پورا کیا جاسکتا ہے۔

مرد کے ساتھ عورت کو اگر گواہی میں شامل کیا جائے، تو ایک عورت کو نہیں، بلکہ دو عورتوں کو شامل کیا جائے۔

دو عورتوں کی شرط اس وجہ سے نہیں ہے کہ ایک عورت ناکافی یا ناقابل بھروسہ ہے، بلکہ دراصل اس میں عورت کی عزت افزائی، اس کی نسوانیت کا احترام اور اس کے وقار کا تحفظ ہے۔

اگر گواہی کے لیے ایک مرد کے ساتھ ایک عورت کو رکھا جاتا، تو یہ صورت اندیشے سے خالی نہ ہوتی، اگر مرد کی نیت کسی وجہ سے خراب ہوتی اور وہ معاملے کو خراب کرنا چاہتا، گواہی میں کچھ ردّ و بدل کرنا چاہتا، تو اس کے لیے یہ مشکل نہ ہوتا کہ ایک عورت کو بہلا پھسلا کر، یا ڈرا دھمکا کر اس غلطی میں اس کا ساتھ دینے کے لیے آمادہ کرلے، لیکن اس عورت کے ساتھ اگر ایک اور عورت ہے، تو اسے بہکانا یا دھمکانا آسان نہ ہوگا۔ وہ دوسری عورت اپنی دینی بہن کو سنبھالے گی اور غلطی میں پڑنے سے اسے بچالے گی۔

آیت کے الفاظ سے یہی بات ظاہر ہوتی ہے۔ یہاں یہ بات غور کرنے کی ہے کہ آیت میں (ان تضلّ) فرمایا گیا ہے۔ (أن تنسى) نہیں کہا گیا۔ نسیان اور ضلال میں جو فرق ہے، وہ واضح ہے۔ گویا یہاں عورت سے نسیان کا خطرہ نہیں، بلکہ اس غلطی یا غلط روی کا خطرہ ہے، جس کی طرف ہم نے ابھی اشارہ کیا۔ اسی غلطی کا راستہ روکنے کے لیے ایک مرد کے ساتھ دو عورتوں کی شرط رکھی گئی۔

جہاں تک نسیان کا تعلق ہے، تو اس میں مرد عورت میں کیا فرق ہے؟ نسیان جس طرح عورتوں کو لاحق ہوتا ہے، اسی طرح مردوں کو بھی لاحق ہوتا ہے۔ بلکہ بسا اوقات مردوں کو زیادہ لاحق ہوتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوعورتوں کے ساتھ ایک مرد کیوں؟

یہاں یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ ان معاملات میں گواہی کے لیے تنہا عورتیں کافی کیوں نہیں سمجھی گئیں؟ دوعورتوں کے ساتھ ایک مرد کا ہونا کیوں ضروری قرار دیا گیا؟

اس کا سیدھا سادہ جواب یہ ہے کہ یہ میدان اصل میں عورتوں کا ہے ہی نہیں۔ اس لیے ناگزیر حد تک ہی عورت اس میدان میں رہے گی اور اس تحفظ کے ساتھ رہے گی جو اوپر بیان ہوا۔ یہ میدان مردوں کا ہے اور عام حالات میں مردوں کو ہی یہ میدان سنبھالنا ہے۔ خواہ مخواہ بے ضرورت اس میدان میں عورتوں کو گھسیٹنا، یہ عورت کی عزت وکرامت کے منافی ہے۔

ایک ضمنی وضاحت

بظاہر یہی بات خلافت اور اس قسم کی دوسری ذمہ داریوں کے بارے میں بھی کہی جاسکتی ہے۔ لیکن یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ ہم پیچھے نہایت وضاحت سے یہ بات کہہ چکے ہیں، کہ خلافت وامارت اصلاً مردوں کا ہی کام ہے۔ مگر اس شرط کے ساتھ کہ وہ متقی، اسلام کے شیدائی اور ملت کے وفادار ہوں۔ مسلم خاتون انتخاب میں اسی وقت داخل ہوگی یا داخل کی جائے گی، جب یہ میدان ان اوصاف کے حامل مردوں سے خالی ہو۔ ملت اگر زندہ اور باشعور ہو تو اسلامی ریاست یا مسلم امت کی کوئی بھی ذمہ داری کسی بھی حال میں فاسق وفاجر ہاتھوں کو نہیں دی جاسکتی۔ لائق اور خدا ترس افراد میدان میں موجود ہیں تو وہ، ورنہ لائق اور خدا ترس عورتیں یہ ذمہ داریاں سنبھالیں گی۔

خلافت وامارت تو بہت اونچی چیز ہے، اسلامی شریعت میں تو ایک فاسق وفاجر شخص کسی معمولی سی گواہی کے لائق بھی نہیں سمجھا گیا ہے۔ گواہی میں بھی یہ شرط رکھی گئی ہے کہ گواہ عادل، راست باز اور لوگوں کے نزدیک پسندیدہ اور قابل اعتماد ہو۔

ممن ترضون من الشهداء۔ (البقرہ:۲۸۲) جو گواہ تمہارے نزدیک پسندیدہ ہیں، یہ ان میں سے ہوں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

أَشْهِدُوا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنکُمْ۔ (الطلاق:۲)

اپنے میں سے دو عادل انسانوں کو گواہ بناؤ۔

وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَداً وَأُولٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ۔ (النور:۴)

ان کی گواہی کبھی بھی قبول نہ کرو۔ یہ فاسق لوگ ہیں۔

تو جس طرح قابل اعتماد افراد کے نہ ہونے کی صورت میں قابل اعتماد عورتوں کی گواہی کی جائے گی نہ کہ فاسق و فاجر مردوں کی، اسی طرح امارت وقیادت کے لیے لائق اور خداترس افراد کے نہ ہونے کی صورت میں لائق اور خداترس عورتوں کو ترجیح حاصل ہوگی، نہ کہ فاسق و فاجر مردوں کو۔ اسی طرح مردوں کے معاملات میں اصلاً عادل اور راست باز مردوں کی گواہی معتبر ہوگی، نہ کہ عورتوں کی۔ البتہ اگر کہیں گواہی کا نصاب خالص مردوں سے پورا نہ ہورہا ہو تو مجبوری کی صورت میں مردوں کے ساتھ عورتوں کو شامل کر کے یہ نصاب پورا کیا جاسکتا ہے۔

نسوانی معاملات میں عورت کی گواہی

اسی طرح جو میدان عورتوں کا ہے، یعنی نسوانی معاملات یا نسوانی حالات کا میدان، تو اس میں عورتوں کی ہی گواہی معتبر ہوگی۔ مردوں کی نہیں۔

جس طرح مردوں کے معاملات میں مردوں کی گواہی مطلوب ہے، اسی طرح عورتوں کے معاملات میں عورتوں کی گواہی مطلوب ہے۔ امام شعبی فرماتے ہیں:

من الشهادات شهادة لايجوز فيها إلا شهادات النساء. ۲۶

گواہی کے کچھ ایسے مواقع بھی ہوتے ہیں، جہاں عورتوں کی ہی گواہی مانی جائے گی، مردوں کی نہیں۔

ان معاملات میں عورتوں کی گواہی کا وہی نصاب ہوگا، جو مردوں کے معاملات میں مردوں کی گواہی کا ہوتا ہے۔ یعنی دو قابل اعتماد عورتیں گواہی کے لیے کافی ہوں گی۔ بلکہ بسا اوقات ایک ہی عورت کی گواہی کافی ہوگی۔ یہاں گواہی کے لیے چار عورتوں کا مطالبہ نہیں ہوگا۔

فقہ کا مشہور قاعدہ ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شهادة النساء فيما لا يطلع عليه الرجل كشهادة الرجال فيما يطلعون عليه. [۲۷]

عورتوں کی گواہی ان معاملات میں، جن کو مرد نہیں جان سکتا، ویسی ہی ہوگی، جس طرح مردوں کی گواہی ہوتی ہے، ان معاملات میں، جن کو وہ جان سکتے ہیں۔

سورۂ نور میں لعان کے سیاق میں جو آتیں آئی ہیں، ان سے یہ مسئلہ اور زیادہ واضح ہوجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُن لَّهُمْ شُهَدَاء إِلَّا أَنفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِيْنَ. وَالْخَامِسَةُ أَنَّ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَيْهِ إِن كَانَ مِنَ الْكَاذِبِيْنَ وَيَدْرَأُ عَنْهَا الْعَذَابَ أَنْ تَشْهَدَ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الْكَاذِبِيْنَ. وَالْخَامِسَةَ أَنَّ غَضَبَ اللَّهِ عَلَيْهَا إِن كَانَ مِنَ الصَّادِقِيْنَ (سورۂ نور:٦-٩)

اور جو لوگ اپنی بیویوں کو الزام لگائیں اور ان کے پاس گواہ نہ ہوں سوائے ان کی اپنی ذات کے، تو اس طرح کے کسی شخص کو اللہ کے حوالے سے چار بار قسمیں کھانی ہوں گی، کہ وہ سچوں میں سے ہو۔ اس عورت سے سزا اس طرح ٹل سکتی ہے، کہ وہ اللہ کا نام لے کر چار بار یہ قسم کھائے کہ یہ شخص جھوٹے لوگوں میں سے ہے اور پانچویں بار یہ قسم کھائے کہ اس پر اللہ کا غضب ہو، اگر یہ شخص سچے لوگوں میں سے ہو۔

عورت اور مرد کی گواہی بالکل مساوی

گویا شوہر بیوی پر اگر بدکاری کا الزام لگاتا ہے اور اس کے پاس اس کے عینی گواہ نہیں ہیں، تو ثبوت الزام کے لیے اسے پانچ بار قسمیں کھانی ہوں گی، یا پانچ بار حلف اٹھانا ہوگا۔ اس کے بعد اگر وہ بیوی، جس پر یہ الزام ہے، اقبال جرم یا اعتراف گناہ نہیں کرتی، تو قانون کی زد سے بچنے کے لیے اسے بھی پانچ ہی قسمیں کھانی ہوں گی، یا پانچ ہی بار حلف اٹھانا ہوگا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہاں شوہر اور بیوی کے نصاب حلف میں کوئی فرق نہیں کیا گیا ہے۔ ان دونوں کی قسموں کو بالکل مساوی حیثیت دی گئی ہے۔

اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عزت و کرامت میں عورت کو کہیں بھی مرد سے پیچھے نہیں رکھا گیا ہے۔ اس لیے کہ عزت و کرامت کا مرد یا عورت ہونے سے کوئی تعلق نہیں۔ عزت و کرامت کا معیار اللہ تعالیٰ کے ہاں صرف تقویٰ ہے۔ اخلاقی خوبیاں اور روحانی بلندیاں ہیں۔ یہ خوبیاں اور یہ بلندیاں مردوں کے اندر بھی ہو سکتی ہیں، عورتوں کے اندر بھی ہو سکتی ہیں۔

عورت اور مرد کا ووٹ بالکل مساوی

ان ساری وضاحتوں کے بعد شاید یہ کہنا تحصیل حاصل ہوگا، کہ جب قرآن کی رو سے عورت کی شہادت مرد کی شہادت کے مساوی ہے، تو سیاسی انتخابات کے موقع پر عورت کا ووٹ (Vote) بھی مرد کے ووٹ کے مساوی ہوگا۔

جو لوگ مسلم خاتون کے ووٹ کو نصف ووٹ قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں، دو عورتوں کا ووٹ ایک مرد کے ووٹ کے برابر ہوگا، وہ یہ بات بغیر کسی دلیل اور بنیاد کے کہتے ہیں۔

ووٹ کے مسئلے کو انھوں نے سرتاسر شہادت پر قیاس کیا اور یہ کہا کہ، جس طرح عورت کی شہادت نصف شہادت ہوتی ہے، اسی طرح اس کا ووٹ نصف ووٹ کے برابر ہوگا۔ اب یہ واضح ہو جانے کے بعد کہ نصف شہادت کا مفروضہ غلط ہے، نصف ووٹ کا مفروضہ بھی غلط ہو جاتا ہے۔

کیا کچھ گواہیاں نامعتبر ہوں گی؟

عورتوں کے تعلق سے یہ بات بھی کچھ فقہاء نے کہی ہے، کہ حدود و قصاص کے معاملات میں ان کی گواہی نامعتبر ہوگی۔

اس سلسلے میں جتنی بھی روایتیں آتی ہیں، ان سب کا جائزہ لینے کے بعد امام ابن حزم اس نتیجہ تک پہنچتے ہیں کہ حدود و قصاص کے باب میں عورتوں کی گواہی قبول نہ کرنے کی سنت رسول میں کوئی بنیاد نہیں ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رفض شهادة النساء في الحدود و القصاص لا يوجد له أصل في السنة النبوية . ۲۸

حدود و قصاص کے معاملات میں عورتوں کی گواہی رد کردینے کی سنت رسول میں کوئی بنیاد نہیں ہے۔

کچھ فقہاء نے حدود و قصاص کے ساتھ نکاح و طلاق کو بھی جوڑ دیا ہے۔ ان کے نزدیک ان سب معاملات میں عورت کی گواہی نا معتبر ہوگی۔

مگر عطاء بن ابی رباح سے یہ روایت آتی ہے کہ خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروقؓ نے نکاح و طلاق کے معاملے میں مرد گواہوں کے ساتھ عورتوں کی گواہی کا بھی اعتبار کیا۔ ۲۹

عطاء سے ہی ایک اور روایت آتی ہے کہ انھوں نے فرمایا:

تجوز شهادة النساء مع الرجال في كل شيئ. ۳۰

مردوں کے ساتھ عورتوں کی بھی گواہی ہو، تو ہر معاملے میں اس کا اعتبار ہوگا۔

شریعت کی منشا کا لحاظ

جن فقہاء نے حدود و قصاص میں عورتوں کی گواہی کو نا معتبر کہا ہے، انھوں نے دراصل عورتوں کے سلسلے میں شریعت کی منشا کو سامنے رکھا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ اسلام عورت کو تمام جھگڑوں اور تمام فتنوں سے دور رکھتا ہے، وہ اسے اس طرح بچا بچا کر رکھتا ہے، جیسے سیپی میں موتی، یہاں اصل چیز عورت کی عزت و کرامت ہے۔ اس کا رتبہ گھٹانے، یا اسے کسی حیثیت سے نا اہل قرار دینے کا یہاں کوئی تصور نہیں۔

اس سلسلے میں حضرت طاؤس کا قول قابل ذکر ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

تجوز شهادة النساء في كل شئي مع الرجال إلا الزنى، من أجل أنه لا ينبغي أن ينظرن إلى ذلك. ۳۱

”عورتوں کے ساتھ اگر مرد بھی ہیں، تو ان کی گواہی ہر معاملے میں معتبر ہوگی۔ البتہ زنا کے معاملے میں نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے لیے کسی طرح مناسب نہیں، کہ وہ اس برائی کا مشاہدہ کریں“

حضرت طاؤس کے اس قول سے وہی بات معلوم ہوتی ہے، جس کی طرف ابھی ہم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے اشارہ کیا، عورت پر اس طرح کی جو بھی پابندی ہے، اس کی روح عورت کے مزاج کی رعایت، اور اس کی عزت و وقار کا تحفظ ہے، نہ کہ اس کا رتبہ گھٹانا، یا اس کی نا اہلی کا چرچا کرنا۔

پھر اس طرح کی جو پابندیاں بھی فقہاء کے ہاں ملتی ہیں، وہ سب ان کے اجتہادات ہیں، جو شریعت کی منشا کو سامنے رکھ کر کیے گئے ہیں، ورنہ قرآن و حدیث میں، واضح اور صریح لفظوں میں ایسی کوئی پابندی نہیں ملتی۔

یہی وجہ ہے خود فقہاء کے درمیان اس معاملے میں بڑا اختلاف ہے۔ البتہ اتنی بات تو مسلّم ہے، جس سے شاید کسی کو اختلاف نہ ہو، کہ ان سب معاملات کو دیکھنا اور ان سے نمٹنا یہ اصل میں مردوں کا ہی کام ہے۔ مردوں کو ہی یہ سارے محاذ سنبھالنے ہیں۔ اگر ان معاملات کے مرد گواہ موجود ہیں، تو کوئی وجہ نہیں کہ ان پر اکتفا نہ کیا جائے اور خواہ مخواہ عورتوں کو اس کوچے میں گھسیٹا جائے۔

البتہ اگر کہیں اس طرح کی صورت درپیش ہو کہ چوری، ڈکیتی، عزت دری یا خوں ریزی کے حادثات ہوئے، مگر وہاں ایسے لوگ نہیں تھے، جو ان حادثات کے گواہ بن سکیں، بس کچھ مسلم خواتین وہاں موجود تھیں، جو عاقل بالغ ہیں، راست باز اور ہر طرح سے قابل اعتماد ہیں۔ وہ ان حادثات کی عینی شاہد ہیں۔ تو اس صورت میں کیا ہوگا؟

قانونی کاروائی یا جرائم سے چشم پوشی؟

آیا ان معاملات میں خالص خواتین کی گواہی پر ان مجرموں کے ساتھ قانونی کاروائی کی جائے گی اور انھیں قرار واقعی سزا دی جائے گی؟ یا مرد گواہ نہ ہونے کی وجہ سے ان سنگین جرائم سے چشم پوشی کی جائے گی اور مجرموں کو کوئی سزا نہیں دی جائے گی؟

ان جرائم سے چشم پوشی کرنے اور مجرموں کو قرار واقعی سزا نہ دینے کا واضح مطلب ہے، مجرموں کو شہ دینا اور ان تمام لوگوں کو حقوق کو پامال کرنا، جو ان جرائم کا نشانہ بنے ہیں۔ ظاہر ہے اسلامی شریعت کبھی اس اندھیر نگری کی روادار نہیں ہوسکتی۔

جن بزرگ فقہاء کی یہ رائے ہے کہ حدود و قصاص کے معاملات میں خواتین کی گواہی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں لی جائے گی، ان کی بھی یہ منشا کبھی نہیں ہو سکتی۔

یقیناً ان کی منشا یہی ہوگی، کہ جہاں تک ممکن ہو، مسلم خاتون کو ان جھگڑوں سے دور رکھا جائے اور مرد گواہوں کی گواہی سے کام چلایا جائے۔

لیکن اگر کبھی ایسی صورت پیش آ جاتی ہے کہ حدود و قصاص کے معاملات ہیں، مگر خواتین کے علاوہ ان کا کوئی گواہ ہے ہی نہیں، تو ایسی صورت میں یقیناً خواتین کو زحمت دی جائے گی، تاکہ حدود اللہ کی حفاظت ہو سکے اور عدل و انصاف اور ادائے حقوق کے تقاضے پورے کیے جا سکیں۔

عورت کے معاشی حقوق

جہاں تک عورت کے معاشی حقوق کا تعلق ہے، تو اس باب میں قرآن نے نہایت واضح ہدایات دی ہیں۔ اس نے ہر طرح سے ان حقوق کو تحفظ عطا کیا ہے اور وہ سارے رخنے بند کر دیے ہیں، جہاں سے ان حقوق کو نقصان پہنچ سکتا تھا۔

حق ملکیت

اس نے جس طرح مردوں کو حق ملکیت دیا ہے، اسی طرح عورتوں کو بھی دیا ہے۔ جس طرح مرد اپنی زمین، جائداد، تجارت، کاروبار کا مالک ہوتا ہے، اسی طرح عورت بھی اپنی دولت جائداد کی مستقل مالک ہوتی ہے، جس میں مرد کو دخل اندازی کرنے کا کوئی حق نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ لِّلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا وَلِلنِّسَاۗءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ وَاسْـَٔـلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِـيْمًا (النساء/۳۲)	اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر جو فضیلت دی ہے، اس کی طرف نظر نہ اٹھاؤ، مردوں کے لیے حصہ ہے اس میں جو وہ کمائیں اور عورتوں کے لیے حصہ ہے اس میں سے جو وہ کمائیں۔ اللہ سے اس کا فضل مانگو۔ بے شک اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک دوسری جگہ ازواج مطہرات کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِينَ الزَّكَاةَ (سورۃ احزاب/۳۳)	نماز کا اہتمام کرو، اور زکوٰۃ ادا کرو۔

عورتوں کو زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم دینے کا مطلب ہی یہ ہے کہ عورت اپنے مال کی اسی طرح مالک ہوگی، جس طرح مرد مالک ہوتا ہے۔ اور مال اگر بقدر نصاب ہوجائے، تو اس کی زکوٰۃ بھی ادا کرے گی، جس طرح مرد ادا کرتا ہے۔

اسی طرح مومنین اور مومنات کی مطلوبہ صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ (سورۃ احزاب/۳۵)	صدقہ و انفاق کرنے والے مرد، صدقہ و انفاق کرنے والی عورتیں۔

گویا صدقہ و انفاق جس طرح مردوں سے مطلوب ہے، اسی طرح عورتوں سے بھی مطلوب ہے۔ عورت سے صدق و انفاق مطلوب ہونے کا مطلب ہی یہ ہے، کہ وہ صاحب مال ہوگی اور اس مال میں تصرف کرنے کی اسے پوری آزادی ہوگی۔

حق وراثت

اسی طرح میّت کے ترکہ میں جس طرح مردوں کا حصہ رکھا گیا، اسی طرح عورتوں کا بھی رکھا گیا۔ ارشاد فرمایا:

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا (سورۃ نساء/۷)	مردوں کا حصہ ہے والدین اور رشتے داروں کے ترکے میں، اور عورتوں کا بھی حصہ ہے والدین اور رشتے داروں کے ترکے میں، چاہے وہ کم ہو یا زیادہ، ہر ایک کا متعین حصہ ہے۔

قرآن پاک نے اجمالاً یہ قانون یا یہ حکم بیان کرنے پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ باقاعدہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وضاحت کے ساتھ حصہ داروں کے حصے متعین کردیے۔ ملاحظہ ہو سورۂ نساء (آیات: ۱۱-۱۳)

اس تفصیل و وضاحت کا مقصد اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ یتیموں اور عورتوں کے حصے محفوظ ہو جائیں۔ ان کے ضائع ہونے کا کوئی اندیشہ نہ رہا جائے۔

تقسیم وراثت سے متعلق ایک وضاحت

وراثت کے تعلق سے ایک بات کی وضاحت یہاں ضروری ہے۔

بیٹوں اور بیٹیوں کے درمیان وراثت کی تقسیم ہو، تو اس بارے میں قرآن کی یہ ہدایت ہے کہ بیٹوں کا حصہ بیٹیوں کا دوگنا ہوگا:

يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيْ أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ (سورہ نساء/۱۱)

اللہ تمھاری اولاد کے باب میں تمھیں ہدایت دیتا ہے کہ لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے۔

بالکل یہی ہدایت سگے بھائی بہنوں کے بارے میں بھی کی گئی ہے، کہ بھائیوں کو بہنوں کا دوگنا حصہ ملے گا:

فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ. (سورہ نساء/۱۷۶)

مرد کے لیے دو عورتوں کے برابر حصہ ہے۔

اسی طرح کا فرق بیوی اور شوہر کے معاملے میں بھی پایا جاتا ہے۔ شوہر کو بعض حالات میں بیوی کے ترکہ کا نصف ملے گا اور بعض حالات میں چوتھائی۔ جب کہ بیوی کو شوہر کے ترکہ میں سے بعض حالات میں چوتھائی ملے گا اور بعض حالات میں آٹھواں حصہ۔

ان آیات سے کسی کو غلط فہمی ہو سکتی ہے کہ اسلامی قانون وراثت میں عورتوں کی حق تلفی ہوئی ہے۔ انھیں مردوں کے برابر حق نہیں دیا گیا ہے۔

مگر فی الواقع ایسا نہیں ہے۔ یہاں بیٹوں بیٹیوں، یا بھائی بہنوں، یا بیوی شوہر کے حصوں میں جو فرق ہے، وہ مرد عورت ہونے کی بنیاد پر نہیں ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کی دلیل یہ ہے کہ مرد عورت کے حصوں میں جو فرق مذکورہ مثالوں میں نظر آتا ہے، وہ ہر جگہ نہیں ہے۔ مثلاً مورث کے اگر والدین موجود ہیں اور اولاد بھی ہے تو اس صورت میں والد اور والدہ دونوں کو سدس یعنی چھٹا حصہ ملتا ہے۔ یہاں دونوں کا حصہ بالکل برابر ہوتا ہے۔ مرد عورت ہونے کی بنیاد پر ان دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا جاتا۔ فرمایا:

وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ. (سورہ نساء/۱۱)

اور میت کے ماں باپ کے لیے، ان میں سے ہر ایک کے لیے، اس کا چھٹا حصہ ہے جو مورث نے چھوڑا اگر میت کے اولاد ہو۔

اسی طرح کلالہ کی صورت میں اخیافی (ماں جائے) بھائی بہن وارث ہوں تو ان کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا گیا ہے۔ اگر ایک بھائی ہے تو وہ سدس (چھٹے) کا حق دار ہوگا۔ اگر ایک بہن ہے تو وہ بھی سدس کی حق دار ہوگی۔ اور اگر دو یا دو سے زائد بھائی بہن ہیں، تو انھیں ثلث ملے گا، جسے وہ آپس میں برابر بانٹ لیں گے۔ فرمایا:

وَإِن كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ فَإِن كَانُوا أَكْثَرَ مِن ذَٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ. (سورہ نساء/۱۲)

اور اگر کسی مرد یا عورت کی وراثت اس حال میں تقسیم ہو کہ نہ اس کے اصول میں کوئی ہو نہ فروع میں اور ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو ان میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ ہے اور اگر وہ اس سے زیادہ ہوں تو ایک تہائی میں شریک ہوں گے۔

ان آخری دونوں مثالوں کو سامنے رکھتے ہوئے ہم پہلی تینوں مثالوں کے بارے میں نہایت اعتماد کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر وہاں بیٹی، بیٹوں، بھائی بہنوں اور شوہر بیوی کے حصوں میں فرق کیا گیا ہے تو اس کی بنیاد مرد یا عورت ہونا نہیں، بلکہ اس کی کچھ دوسری ہی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں، جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حق مہر

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ قرآن نے نکاح کے موقع پر مرد پر زرِ مہر واجب کیا ہے، جو خالص عورت کا حق ہوتا ہے۔ شوہر اس بات کا پابند ہوتا ہے کہ وہ خوشی خوشی اسے بیوی کے حوالہ کردے۔ بعد میں اس میں کچھ بھی تصرف کرنے، یا کمی بیشی کرنے کا اسے اختیار نہیں ہوتا، ہاں اگر بیوی خود اپنی خوشی سے مہر کا کچھ حصہ معاف کردے، تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً فَإِن طِبْنَ لَكُمْ عَن شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَّرِيئًا (سورۂ نساء/۴)

اور عورتوں کو ان کے مہر دے دو خوشی خوشی، اب اگر اس کا کچھ حصہ تمہارے لیے اپنی خوشی سے چھوڑ دیں، تو اس سے فائدہ اٹھاؤ، وہ تمھارے لیے حلال اور سازگار ہے۔

مہر کی مقدار

آیت سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ زرِ مہر ایک معقول اور معتد بہ رقم ہونی چاہیے، جس کی ادائیگی بسا اوقات مرد کے لیے دشوار ہوجائے، اور وہ اس میں تخفیف کا خواہش مند ہو۔

مہر کی تعیین میں زوجین کی سماجی حیثیت (Status) کا پورا پورا لحاظ ہو۔ مہر نہ اتنا زیادہ ہو کہ مرد اس کا بوجھ نہ اٹھا سکے، نہ اتنا کم ہو کہ عورت کا اس سے چار چھ ماہ گزارہ بھی نہ ہوسکے۔

کفالت کی ذمہ داری مردوں پر

اس سلسلے میں یہ بات بھی بڑی اہم ہے کہ اسلام نے نان نفقے یا معاش کی تمام تر ذمہ داری مردوں پر ڈالی ہے، عورتوں پر نہیں، عورت اگر غیر شادی شدہ ہے تو اس کی کفالت اس کے باپ کی ذمہ داری ہے اور اگر شادی ہوگئی ہے، تو اس کا پورا خرچ اس کے شوہر کے ذمہ ہے۔ باپ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یا شوہر کے نہ ہونے کی صورت میں اس کے قریبی عزیزوں کی ذمہ داری ہے۔

لیکن اگر خاندان غربت زدہ ہے، باپ یا شوہر کی کمائی ناکافی ہوتی ہے، یا باپ یا شوہر کا سایہ سر سے اٹھ چکا ہے اور قریبی لوگوں میں کوئی ایسا نہیں، جو باعزت طریقے سے اس کی کفالت کر سکے، تو ایسی صورت میں کوئی حرج نہیں ہے کہ عورت خود حصول معاش کے لیے تگ و دو کرے۔ البتہ وہ اپنی اس تگ و دو میں اسلامی آداب کا خیال رکھے اور اپنی عزت و ناموس پر کوئی آنچ نہ آنے دے۔ نہ خود کسی کے لیے فتنہ بنے، نہ کسی فتنے کا شکار ہو۔

یہ تو اس عورت کا مسئلہ ہوا جو اپنے حالات سے مجبور ہے، جو اس بات پر مجبور ہے کہ اپنے خاص دائرے سے باہر نکل کر اپنے لیے یا بچوں کے لیے روزی روٹی کا انتظام کرے۔

عورت اور حصول زر

البتہ وہ عورت جس کے سامنے کوئی مجبوری نہیں ہے، جس کے ہاں کمانے والے اور خوشی خوشی اس کی کفالت کی ذمہ داری اٹھانے والے موجود ہیں، اس کے لیے کسب مال یا حصول زر کی دوڑ میں حصہ لینا کوئی پسندیدہ عمل نہیں ہے۔

ہاں اگر کسب مال کے کچھ باوقار اور باعزت ذرائع اسے حاصل ہوں اور اپنے طور پر مال کی ضرورت مند نہ ہوتے ہوئے بھی وہ یہ جذبہ رکھتی ہو کہ مال کما کر سماج اور ملت کی خدمت کرے، نیکی و رضائے الٰہی کے کاموں میں زیادہ سے زیادہ حصہ لے کر اپنی آخرت کو کامیاب بنائے۔ اگر کوئی عورت یہ جذبہ رکھتی ہے، تو اس نیک عورت کا یہ نیک جذبہ نہایت قابل قدر ہے۔ قرآن و حدیث کی رو سے اس میں کوئی حرج نہیں، البتہ اس کی اصل اور بنیادی ذمہ داریاں متأثر نہ ہوں۔ اور گھریلو حالات کی خوش گواری پر اس کے منفی اثرات نہ ظاہر ہوں۔

نسوانی فطرت کی صحیح عکاسی

قرآن پاک کے اندر سورۂ قصص میں حضرت موسیٰؑ کا قصہ بیان ہوا ہے۔ اس معاملے میں ہم اس سے بہت کچھ رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت موسیٰ کا ظالم قبطی کے ساتھ جو قصہ پیش آیا تھا، جس کے بعد وہ مصر سے نکل کر مدین چلے گئے تھے، اس کا ذکر کرتے ہوئے قرآن ہمیں بتاتا ہے، کہ وہ مدین کے چشمے پر پہنچے تو دیکھا، بہت سے لوگ اپنے مویشیوں کو پانی پلا رہے ہیں اور کچھ فاصلے پر دو عورتیں ہیں، جو اپنے مویشیوں کو پانی کے قریب جانے سے روک رہی ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان عورتوں سے اس کی وجہ دریافت کی، انھوں نے جواب دیا:

لَا نَسْقِیْ حَتّٰی یُصْدِرَ الرِّعَاءُ وَأَبُوْنَا شَیْخٌ کَبِیْرٌ (سورۂ قصص/۲۳)

ہم اپنے مویشیوں کو پانی اس وقت پلائیں گے، جب یہ لوگ اپنے مویشیوں کو پانی پلا کر ہٹ جائیں گے۔ ہمارے والد بہت بوڑھے اور سن رسیدہ ہیں۔

اس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ ان شریف زادیوں نے اجنبی مردوں سے اختلاط پسند نہیں گیا، انھوں نے انتظار کیا کہ یہ لوگ چلے جائیں، تب وہ اپنے مویشیوں کو پانی پلائیں۔

دوسرے ان کا یہ عمل ایک مجبوری کا عمل تھا، ان کے والد بزرگوار بہت بوڑھے اور عمر رسیدہ تھے، وہ یہ کام کر نہیں سکتے تھے، گھر میں کوئی اور مرد تھا نہیں، اس وجہ سے انھیں اس کام کے لیے نکلنا پڑا۔

ان عورتوں کا یہ کہنا کہ ''ہمارے والد بہت بوڑھے عمر رسیدہ ہیں''۔ یہ دراصل معذرت تھی اس بات کی، کہ وہ ان اجنبی مردوں کے درمیان کیوں آئیں؟ وہ اس کام کے لیے کیوں نکلیں جب کہ اصلاً یہ کسی مرد کے کرنے کا کام تھا؟

پھر یہ ان عورتوں کی انتہائی شرافت اور حد درجہ احتیاط تھی، کہ وہ دونوں ساتھ ساتھ تھیں، ورنہ یہ بھی تو ہو سکتا تھا کہ ایک بہن گھر پر ہی رہ جاتی، دوسری بہن ان جانوروں کو چرانے، یا پانی پلانے کے لیے باہر چلی جاتی۔

یہ ہے بالکل صحیح عکاسی اس نسوانی فطرت کی، جس پر خالق دو جہاں نے عورت کو پیدا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیا ہے۔ اس قصہ سے کئی اہم باتیں سامنے آتی ہیں:

(۱) عورت کی اصل دنیا مردوں کی دنیا نہیں، اس کی اصل دنیا عورتوں اور بچوں کی دنیا ہے۔

(۲) اجنبی یا نامحرم مردوں سے اختلاط نسوانی فطرت کے خلاف ہے۔

(۳) ضرورت کے تحت مردوں کی دنیا میں قدم رکھنا عورت کے لیے ممنوع نہیں۔ البتہ وہ ایک مجبوری کی حالت ہے۔ کسی مرد کے نہ ہونے کی صورت میں بے شک وہ باہر کے کام سنبھال سکتی ہے، لیکن جہاں یہ مجبوری نہ ہو، وہاں اس کا اپنے خاص دائرے میں ہی رہنا زیادہ بہتر اور زیادہ موجب خیر و برکت ہے۔

(۴) عورت کو اگر کسی کام کے لیے مردوں کی دنیا میں قدم رکھنا ہو، تو اس کے لیے بہتر ہے کہ کسی دوسری عورت، یا کسی محرم مرد کو بھی ساتھ لے لے۔ اکیلی عورت ہمیشہ خطرے کی زد میں ہوتی ہے۔ آئے دن کے حادثات اس خطرے کو سمجھنے کے لیے کافی ہیں۔

کام کے شرعی حدود

کوئی خاتون اگر کہیں سرکاری یا غیر سرکاری ملازمت (Service) کرنی چاہتی ہے، یا اپنے طور پر کوئی کاروبار یا بزنس (Business) کرنا چاہتی ہے، تو اس کے لیے چند باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

(۱) وہ ملازمت یا وہ بزنس ایسا ہو، جس سے اس کی عزت و عصمت یا اس کے وقار پر کوئی آنچ نہ آتی ہو، اس ملازمت یا اس بزنس میں کوئی خیر نہیں، جس کے لیے اپنے عزت یا اپنے وقار کو داؤں پر لگانا پڑے۔

(۲) اس ملازمت یا اس بزنس سے کسی حکم الٰہی کی خلاف ورزی نہ ہوتی ہو، یا اس ملازمت یا اس بزنس میں مردوں کسے اختلاط یا خلوت کی صورت نہ پیدا ہوتی ہو۔

(۳) اس بزنس یا اس ملازمت سے اس کی گھریلو ذمہ داریاں متاثر نہ ہوتی ہوں۔ اس کے بچوں کی تربیت میں کوتاہی نہ ہوتی ہو، اس کے شوہر کی کوئی ناگواری یا پریشانی نہ ہوتی ہو۔

یہ بات ملت کی بیٹیوں کو کبھی فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ ان کی زندگی کی اصل پونجی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان کی صالح اولاد ہے، اگر یہ پونجی انھوں نے محفوظ کرلی تو دنیا جہان کی دولت سمیٹ لی اور دونوں جہان کی سرخ روئی حاصل کرلی۔ لیکن اگر انھوں نے یہ پونجی گنوادی، تو سب کچھ پالینے کے بعد بھی انھوں نے کچھ نہیں پایا۔

پرورش کا فطری انداز اور اس کی برکتیں

آج کل مغربی جارحیت کا یہ بھی ایک فیشن ہے کہ بچوں کو کسی بچہ گھر میں ڈال دو، وہاں ان کی پرورش ہوتی رہے گی اور خود آرام سے کوئی سروس یا بزنس کرو۔

ملت کی بیٹیوں پر یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ ماں کی گود اور ماں کا دودھ بچے کی اچھی تربیت کے لیے ناگزیر ہے۔

یوں تو بچہ کہیں بھی پل سکتا ہے، کسی بچہ گھر میں بھی پل سکتا ہے، گھر پر کوئی دائی یا خادمہ رکھ کر بھی پالا جاسکتا ہے، لیکن بچے کی فطرت جس چیز کا تقاضا کرتی ہے وہ ماں کی گود اور ماں کا دودھ ہے، ماں کی گود اور ماں کے دودھ سے دور رکھ کر بچے کی اچھی تربیت نہیں ہوسکتی۔ اسی لیے قرآن پاک اس پہلو پر زور دیتا اور اس کی تاکید کرتا ہے:

والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین ۔(سورہ بقرہ/۲۳۳)	اور مائیں اپنے بچوں کو دودھ پلائیں پورے دو سال۔

بچہ جب گھر کے اندر ماں باپ کے درمیان رہتا ہے، وہ ماں کی چھاتی سے لگ کر اپنی ماں کا دودھ پیتا ہے، تو ماں کے اندر اپنے بچے کے لیے مامتا کے جذبات ابھرتے ہیں۔ باپ کے اندر اپنے بیٹے کے لیے پدرانہ شفقت کے سوتے پھوٹتے ہیں اور ماں کی مامتا اور باپ کی شفقت بچے کے رگ وریشے میں اترتی چلی جاتی ہے۔

پھر اسی بچے کی برکت سے شوہر بیوی کے دل میں، بیوی شوہر کے دل میں اترتی چلی جاتی ہے، یہاں تک کہ دونوں یک جان دو قالب ہوجاتے ہیں۔

اسی طرح وہ پر مسرّت خاندان وجود میں آتا ہے، جس کی جڑیں بہت مضبوط ہوتی ہیں۔ پھر بچہ ماں باپ کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک بن جاتا ہے، ماں باپ بچے کے لیے جنت کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نعمت بن جاتے ہیں، بیوی شوہر کے دل کی دھڑکن بن جاتی ہے، شوہر بیوی کے دل کی دھڑکن بن جاتا ہے۔

یہ ہمارے رب، سارے انسانوں کے رب کا بنایا ہوا فطری نظام ہے، اس فطری نظام پر چلنے میں ہی روح کا سکون، گھر کی رونق، خاندان کی عزت اور پورے انسانی سماج کی فلاح ہے۔

إِنَّ هَـٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ۔ (سورہ اسراء/۹)

بے شک یہ قرآن رہ نمائی کرتا ہے ان اصولوں اور ان طریقوں کی طرف جو سب سے بہتر ہوتے ہیں۔

حوالے وحواشی

۱۔ تحفۃ الفقہاء، علاؤالدین سمرقندی، (۱/۱۲-۱۳) ادارہ احیاء التراث العربی، قطر

۲۔ اعلام النساء فی عالم العرب والاسلام، عمر رضا کحالہ، (۲/۷۵-۷۶) موسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۰۴ھ-۱۹۸۴ء

۳۔ نفس مصدر، ۲/۱۱۶-۱۱۹

۴۔ نفس مصدر، ۲/۱۱۲-۱۱۳

۵۔ المحلی بالآثار، کتاب الشہادات، ابن حزم، ۸/۵۲۷، دارالکتب العلمیۃ بیروت، لبنان، تحقیق: عبدالغفار سلیمان البنداری

۶۔ نفس مصدر، ۸/۵۲۸

۷۔ سبل السلام، تولیۃ المرأۃ القضاء، ۴/۱۹۰، دارالمعرفۃ بیروت لبنان، دوسرا ایڈیشن، ۱۴۱۶ھ-۱۹۹۶ء

۸۔ مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر، ۶/۸۰

۹۔ البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ۷/۸-۹، مکتبہ زکریا، دیوبند

۱۰۔ فتح القدیر، ۱۶/۳۱۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۱۔ السنۃ النبویۃ بین اہل الفقہ واہل الحدیث، علامہ محمد غزالی، (۴۷)، دار الشروق، چوتھا ایڈیشن، اپریل ۱۹۸۹ء

۱۲۔ فتح الباری، شرح صحیح البخاری، ۸/۱۵۸، مکتبہ دارالسلام ریاض، پہلا ایڈیشن، ۱۴۱۸ھ-۱۹۹۷ء

۱۳۔ میزان الاعتدال، امام ذہبی، ۲/۳۸۴-۲۳۲۳، دارالکتب العلمیۃ بیروت لبنان، پہلا ایڈیشن: ۱۴۱۶ھ-۱۹۹۵ء

۱۴۔ تہذیب التہذیب، امام ابن حجر، ۸/۱۴۳-۵۴۳۲، دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان، ۱۴۱۵ھ-۱۹۹۴ء

۱۵۔ سنن ترمذی، ص۶۲۰، حدیث نمبر ۲۲۲۶، دار احیاء التراث العربی، بیروت لبنان، پہلا ایڈیشن: ۱۴۲۱ھ-۲۰۰۰ء

۱۶۔ سیر اعلاء النبلاء، امام ذہبی، ۲/۷۵/ ۱۵۷۶- بیت الافکار الدولیۃ، تہذیب التہذیب، ۳/۳۶-۱۶۲۰، طبقات المدلسین، امام ابن حجر، ۱/۳۸

۱۷۔ المعجم لأوسط، طبرانی، ۵/۳۳۵-۴۸۵۲، مکتبۃ المعارف، ریاض، پہلا ایڈیشن: ۱۴۱۵ھ-۱۹۹۵ء

۱۸۔ تہذیب التہذیب، ابن حجر، ۴/۲۱۰-۲۱۱

۱۹۔ مسند الطیالسی، ۲/۴۶۱-۹۰۹، مصنف بن أبی شیبۃ، ۷/۵۳۸-۳۷۷۷۶، دارالکتب العلمیۃ بیروت، لبنان، پہلا ایڈیشن: ۱۴۱۶ھ-۱۹۹۵ء

۲۰۔ تہذیب التہذیب، ۶/۱۴۲-۳۹۶۶، الجرح والتعدیل، ۵/۲۷۵-۸۳۷۲-۱۰۳۸

۲۱۔ السنۃ النبویۃ بین أہل الحدیث وأہل الفقہ، علامہ محمد غزالی: (۴۹)

۲۲۔ جوامع السیرۃ، علامہ ابن حزم، ۱/۱۶۲، الروض الأنف، السہیلی، ۳/۲۶۸

۲۳۔ سیر اعلام النبلاء، امام ذہبی، ۳/۲۰۱۳-۶۳۸۵

۲۴۔ سنن ابی داؤد، باب امامۃ النساء، ۱/۳۹۶-۵۹۲، دارالحدیث، حمص، سوریہ، پہلا ایڈیشن: ۱۳۸۸ھ-۱۹۶۹ء

۲۵۔ الجامع لأحکام القرآن، امام قرطبی، ۱/۲۶۴، المکتبۃ العصریۃ، سیدا، بیروت، پہلا ایڈیشن: ۱۴۲۵ھ-۲۰۰۵ء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۶۔ المحلی بالآثار، کتاب الشہادات، ابن حزم، ۸/۴۷۷، تحقیق: عبدالغفار سلیمان البند اری

۲۷۔ المبسوط، باب شہادۃ النساء، امام سرخسی، ۱۶/۱۵۲، دار احیاء التراث العربی، بیروت لبنان، پہلا ایڈیشن: ۱۴۲۲ھ-۲۰۰۲ء

۲۸۔ السنۃ النبویۃ بین اہل الفقہ واہل الحدیث، علامہ محمد غزالی: (۵۹)

۲۹۔ المحلی بالآثار، کتاب الشہادات، ابن حزم، ۸/۴۸۰، تحقیق: عبدالغفار سلیمان البند اری

۳۰۔ نفس مصدر، ۸/۴۸۰

۳۱۔ نفس مصدر، ۸/۴۷۹

☆☆☆

© rasailojaraid.com